حدیث کی روشنی

بلال عبدالحی حسنی ندوی

سید احمد شہید اکیڈمی

طبع ہفتم ۱۴۳۱ھ مطابق ۲۰۱۰ء
(تصحیحات اور اہم اضافوں کے ساتھ)

نام کتاب : حدیث کی روشنی
مرتب : بلال عبدالحی حسنی ندوی
تعداد اشاعت : ۲۰۰۰
صفحات :
قیمت : Rs.30

ناشر
سید احمد شہید اکیڈمی
دارِ عرفات، تکیہ کلاں، رائے بریلی (یوپی)

فہــــرست

بسم اللہ الرحمن الرحیم

دیباچہ

''حدیث کی روشنی'' کا ساتواں ایڈیشن آپ کے ہاتھوں میں ہے۔اللہ کا شکر ہے کہ اس نے کتاب کو مقبولیت بخشی، اور تھوڑے ہی عرصہ میں اس کے متعدد ایڈیشن نکل گئے۔

کتاب میں کچھ اغلاط شروع سے چلی آرہی تھیں، اس نئے ایڈیشن میں اس کی ازسرنو کمپوزنگ کردی گئی ہے، اور یہ کوشش کی گئی ہے کہ اغلاط دور کردی جائیں۔بعض حدیثوں میں ترجمہ کو مزید بہتر بنانے کی بھی کوشش کی گئی ہے، اور تشریحات میں بعض اہم اضافے بھی کیے گئے ہیں۔امید ہے کہ کتاب کی نئی اشاعت بہتر طریقہ پر ہوگی۔

میں خاص طور پر اس ایڈیشن کے لیے عزیزی مولوی محمد عمر عثمان ندوی کا شکرگزار اور ان کے لیے دعاگو ہوں کہ انھوں نے ازسرنو حدیثوں کی مراجعت کی۔ عزیزان عزیز القدر مولوی محمد نفیس خاں ندوی اور مولوی محمد سمعان ندوی بھی شکریہ کے مستحق ہیں جنھوں نے پروف کی تصحیح اور اشاعت کی فکر کی، اللہ تعالی ان معاونین کو اس کے اجر میں شامل فرمائے اور کتاب کو مقبول عام فرمائے۔

بلال عبدالحی حسنی ندوی

یکم رجب ۱۴۳۱ھ

مُقدّمہ

مولانا عبداللہ حسنی ندوی

(استاذ حدیث ندوۃ العلماء، لکھنؤ)

الحمدللہ ربّ العالمین و الصلاۃ و السلام علیٰ خاتم النبیین محمدٍ وعلیٰ آلہ و صحبہ أجمعین.

بڑی سعادت اور خوش نصیبی ہے اس شخص کی جس کو رسول اللہ (ﷺ) کے کلام مبارک کے پڑھنے پڑھانے اور دوسروں تک پہنچانے کی توفیق ہو جائے، حضرت رسول پاک (ﷺ) نے اس شخص کے تر و تازہ، شاداب وسدا بہار رکھنے کی اللہ سے دعا کی ہے جو کلام خیر الانام کو صحیح صحیح دوسروں تک پہنچائے، خوب اچھی طرح یاد رکھے اور جیسا حضرت نے فرمایا ہے ویسا ہی دوسروں تک منتقل کردے۔ محدثین کی زندگیاں اس دعا کی قبولیت کی گواہ ہیں؛ حدیث شریف پڑھنے پڑھانے والوں کی تاریخ دیکھیں تو محسوس ہوگا کہ یہ گروہ تمام طبقوں میں امتیازی شان رکھتاہے،ان کی زندگیاں قابل رشک ہیں؛ برکتیں ہیں، رحمتیں ہیں،اورنورانیت سے لبریز ساعتیں ہیں،انہی برکتوں اور فضیلتوں کو حاصل کرنے کے لیے کاروان علم وادب کے شہسوار، صاحبان فہم وادراک اور اہل

قلم نے اپنی اپنی بساط کے مطابق رسول اللہ (ﷺ) کے کلام کی ترجمانی کی اور اس مبارک فہرست میں شامل ہونے کی سعادت حاصل کی، جو بہت طویل بھی ہے اور سلسلۃ الذہب بھی۔ حضرت امام نوویؒ (جو فن حدیث کے امام سمجھے جاتے ہیں اور تمام محدثین ان سے کسب فیض کیا کرتے ہیں) نے چالیس حدیثوں کا مجموعہ تیار کیا، ان کے بعد نہ جانے کتنوں نے اس فہرست میں اپنا نام لکھوایا، مولانا عبدالماجد دریابادیؒ حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ کے چالیس حدیثوں کے مجموعے کا ترجمہ اور مختصر تشریح کرکے اس فہرست میں شامل ہوکر فخر محسوس کرتے رہے۔

بڑی مسرت کی بات ہے کہ برادر عزیز القدر مولوی بلال عبدالحی حسنی ندوی سلّمہٗ نے اللہ تعالیٰ کی خاص توفیق سے رسول اللہ (ﷺ) کے بابرکت کلام میں وقت لگاکر اپنے وقت کو قیمتی بنایا، اور یہ مجموعہ چالیس حدیثوں کا مختصر تیار کرکے اس مبارک فہرست میں اپنا نام لکھوالیا، جس میں رسول اللہ (ﷺ) کے ارشادات، مختلف عنوانات کے تحت مختصر تشریح کے ساتھ جمع کردیے ہیں۔

اللہ تعالیٰ ان کی اس سعی کو قبول فرمائے، اور رسالہ کو مقبول، اور زیادہ سے زیادہ لوگوں کو استفادہ کرنے کی توفیق عطا فرمائے آمین!

عبداللہ حسنی ندوی

دارالعلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ

عرض مرتب

الحمدللّٰہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ سید المرسلین سیدنا

ومولانا محمدٍ وآلہ وصحبہ أجمعین۔أما بعد!

اس امت کی خصوصیات اور نمایاں امتیازات میں سے ایک اہم خصوصیت یہ ہے کہ روزاول سے ہی اس نے حضرت محمد رسول اللہ (ﷺ) کی مبارک زندگی کے ایک ایک گوشہ کی حفاظت کا اہتمام کیا ہے، آپ (ﷺ) کی زبان مبارک سے نکلی ہوئی ایک ایک بات محفوظ رکھی ہے؛ اور یہ اس امت کا ایک ایسا نمایاں امتیاز ہے کہ کوئی دوسری امت اس میں اس کی سہیم وشریک نہیں۔ یہ اس حکیم مطلق (جل جلالہ) کی کارفرمائی تھی جس نے قیامت تک کے لیے اس دین وشریعت کے تحفظ وبقا کا وعدہ فرمایا تھا۔ اس امت کے افراد نے اس سلسلہ میں جس قدر جاں فشانی سے کام لیا وہ تاریخ کا ایک سنہرا باب ہے جس کے نتیجے میں صرف یہی نہیں کہ احادیث مبارکہ کی حفاظت ہوئی، بلکہ حاملین حدیث کے سوانح حیات بھی فن رجال کی کتابوں میں محفوظ کردیے گئے؛ اور یہ آپ (ﷺ) کی مبارک دعا کا فیض تھا جو آپ نے خادمین حدیث کے لیے فرمائی تھی۔

پہلی صدی سے لے کر آج تک اس مبارک علم کی مختلف حیثیتوں سے خدمت

ہوتی رہی ہے، اور علماء امت اس کو ہمیشہ اپنے لیے باعث عزت وشرف سمجھتے رہے۔

اس اہتمام وتوجہ کے نتیجے میں اس علم سے متعدد فنون وجود میں آئے، جس کی تفصیل کی یہاں گنجائش نہیں، خود متون حدیث کی ترتیب وتبویب میں مختلف شکلیں سامنے آئیں، جن میں ایک سلسلہ "أربعینات" کا ہے، جس کے بارے میں خود نبی اکرم (ﷺ) نے ارشاد فرمایا ہے کہ: "من حفظ علیٰ أمتي أربعین حدیثًا في أمر دینها بعثه اللّٰه تعالیٰ فقیهًا و کنت له یوم القیامة شافعًا و شهیدًا۔" (جس نے میری امت کے لیے اس کے دین کے سلسلہ کی چالیس حدیثیں محفوظ کیں اس کو اللہ تعالیٰ فقیہ اٹھائیں گے، اور میں قیامت کے دن اس کا سفارشی اور گواہ ہوں گا) اس فن سے اشتغال رکھنے والوں نے چالیس حدیثوں کے انتخاب میں مختلف اسالیب اختیار کیے، کسی نے ایک موضوع سے متعلق حدیثیں جمع کیں تو کسی نے ایک راوی کی مختلف موضوعات سے متعلق حدیثوں کا انتخاب کیا، اور ایسی أربعینات بھی تیار ہوئیں جن میں مختلف راویوں کی مختلف موضوعات سے متعلق حدیثیں جمع کی گئیں۔ اس سلسلہ میں سب سے زیادہ شہرت ومقبولیت امام نوویؒ (صاحب ریاض الصالحین وشرح مسلم) کی "أربعین" کو حاصل ہوئی، فخر ہندوستان حکیم الاسلام حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے بھی سیدنا علی (رضی اللہ عنہ) کی روایات جمع فرما کر "أربعین" مرتب فرمائی۔

اس عاجز کی یہ ہمت کہاں تھی کہ اس مبارک سلسلہ میں داخل ہونے کی کوشش کرتا، مگر اس کی ایک تقریب یہ پیدا ہوئی کہ مدرسہ ضیاء العلوم (میدان پور، تکیہ کلاں

رائے بریلی) میں عصر بعد طلبہ کے لیے چالیس حدیثوں کے حفظ کا اہتمام کیا گیا، جس کے لیے حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ کی ''أربعین'' کا انتخاب ہوا کہ اس میں متون حدیث مختصر ہیں۔ایک سال یہ سلسلہ جاری رہا مگرایک دشواری یہ ہوئی کہ اس میں بڑی تعداد میں احادیث ضعاف بھی تھیں، اوراس عاجز کی نگاہ میں کوئی ایسا صحیح احادیث کا مجموعہ نہ تھا جو ایک ہی صحابی سے منقول ہو، متون مختصر ہوں اوراہم موضوعات کا احاطہ ہو، خاص طور پر جو طلبہ کے لیے مفید ہو۔اس کے لیے اس نا کارہ نے حضرت ابو ہریرہ(رضی اللہ عنہ) کی مرویات میں سے ایسی چالیس حدیثیں منتخب کیں جو مختصر بھی ہوں اور ضروری موضوعات پر حاوی بھی، اور اسانید کے اعتبار سے قوی بھی ہوں۔ پھر طلبہ کی سہولت اور نفع عام کے خیال سے یہ تقاضہ ہوا کہ ترجمہ اور مختصر فوائد کے ساتھ اس کو شائع کر دیا جائے، جس کے لیے حضرت مولانا محمد منظور نعمانیؒ کی کتاب ''معارف الحدیث'' اور سیدی و مرشدی حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کی ''ارکان اربعہ'' اور ''دستور حیات'' اور حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحبؒ کی ''فضائل اعمال'' کو سامنے رکھ کر فوائد کے ساتھ اس کو مرتب کر دیا گیا ہے۔اس طرح محض توفیق الٰہی سے یہ مجموعہ ناظرین کے سامنے ہے؛ اوراس نا کارہ کے لیے باعث سعادت وعزت ہے، اگر چہ عربی مثل اس پر صادق آتی ہے کہ ''أنّٰی یُدرِكُ الضَّالِعُ شَأوَ الضَّلِیع'' کہاں ایک کوردامن اور کہاں ماہرین فن؟!

اخیر میں ان تمام معاونین کا شکریہ ادا کیا جاتا ہے جنھوں نے کسی طور پر بھی اس کی اشاعت کا سامان کیا، ہمارے مربی برادر اکبر مولانا سید عبداللہ

حسنی ندوی مدظلہٗ (استاذ حدیث دارالعلوم ندوۃ العلماء) نے نظر ثانی فرمائی، اوربیش قیمت مقدمہ تحریر فرما کر عزت افزائی کی۔ رفیق مکرم مولوی محمد حسن صاحب ندوی (استاذ مدرسہ ضیاء العلوم)،عزیز القدر محمد نفیس خاں رائے بریلوی اورعزیزی دلشاد احمد سلمہما نے مسودہ صاف کیا۔ اللہ تعالیٰ سب کو بہتر جزا عطا فرمائے،اوراس کوشش کواس عاجز کے لیے مغفرت کا ذریعہ بنائے۔آمین!

بلال عبدالحی حسنی ندوی
مدرسہ ضیاء العلوم،میدان پوررائے بریلی

الحمد للّٰہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام الأتمان الأکملان علیٰ سیدنا وحبیبنا وشفیعنا ومولانا محمد وآلہ وصحبہ أجمعین.

عقیدۂ توحید

(۱) عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ (رضي الله عنه) قَالَ؛ قَالَ رَسُوْلِ اللّٰهِ (صلى الله عليه وسلم):

"اَلْاِيْمَانُ بِضْعٌ وَسَبْعُوْنَ شُعْبَةً فَأَفْضَلُهَا قَوْلُ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ". ☆

حضرت ابو ہریرہ (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا:

''ایمان کے ستر سے بھی زیادہ شعبے ہیں

جن میں سب سے افضل ''لا إلہ إلا اللّٰہ'' کا قائل ہونا ہے''۔

فوائد:- اس حدیث میں وضاحت کے ساتھ یہ بات بیان کردی گئی ہے کہ ایمان کے شعبوں میں سب سے زیادہ اہمیت کلمۂ لا الٰہ الا اللہ کے قائل ہونے، اورعقیدہ کی اصلاح کی ہے، بلکہ تمام اعمال کی بنیاد ایمان کی پختگی اور عقائد کی درستگی پر ہے، اور دین کا سب سے پہلا امتیاز اور نمایاں شعار عقیدہ پر زور اور اصرار ہے۔ حضرت آدم (علیہ السلام) سے لے کر خاتم النبیین حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تک انبیاء کرام اسی معین عقیدہ

کی دعوت دیتے رہے ہیں۔ ان کے نزدیک بہتر سے بہتر اخلاقی زندگی اور اعلیٰ سے اعلیٰ کردار، نیکی وصلاح کی اُس وقت تک کوئی قدر و قیمت نہیں جب تک کہ اُس عقیدہ پر ایمان نہ ہو جس کو وہ لے کر آئے ہیں اور جس کی دعوت ان کی زندگی کا نصب العین ہے۔عقیدے کی اہمیت کا ثبوت اس سے زیادہ کیا ہوسکتا ہے کہ سورۂ "الکافرون" مکہ میں اس وقت نازل ہوئی جب حالات نرمی، اور اِس مسئلہ کو اُس وقت تک کے لیے ملتوی رکھنے کے متقاضی تھے جب اسلام کو قوت حاصل ہو جائے، لیکن ایسے حالات میں بھی کافروں اور مشرکوں سے عام براءت کا اعلان کر دیا گیا۔

اس سے یہ بات واضح ہوگئی کہ اعمال اُسی وقت عنداللہ مقبول ہوں گے، جب عقیدہ وایمان پختہ ہو، صرف اللہ ہی کو معبود اور قاضی الحاجات سمجھا جائے؛ اور یہ عقیدہ ہو کہ اللہ کے حکم کے بغیر نہ ذرہ اپنی جگہ سے ہٹ سکتا ہے اور نہ پتّہ اڑ سکتا ہے، کائنات اُسی نے بنائی ہے اور وہی اس کو چلا رہا ہے، جیسا کہ فرمان الٰہی ہے: "أَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْأَمْرُ" (اُسی کا کام ہے پیدا کرنا اور اسی کا کام ہے چلانا اور انتظام کرنا)۔ غیب کی کنجیاں اُسی کے پاس ہیں، وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ محمد (ﷺ) اس کے بندے اور رسول ہیں، اس کے محبوب ہیں اور آخری نبی ہیں، آپ کی شریعت آخری شریعت ہے۔ اور ہر ایک کو مرنے کے بعد اللہ کے سامنے حاضر ہونا ہے، اور اپنے کیے دھرے کا حساب دینا ہے۔ جب یہ عقیدہ ہوگا اور اس میں پختگی ہوگی تو سارے ایمانی اعمال اور اس کے تمام شعبوں پر عمل سے نتائج نکلیں گے۔

اخلاص

(۲) عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ (رضي الله عنه) قَالَ؛ قَالَ رَسُوْلِ اللّٰهِ (صلى الله عليه وسلم):

"إِنَّ اللّٰهَ لَا يَنْظُرُ إِلَى أَجْسَادِكُمْ وَلَا إِلَى صُوَرِكُمْ

وَلَكِنْ يَنْظُرُ إِلَى قُلُوْبِكُمْ". ☆

حضرت ابو ہریرہ (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا:

''اللہ تعالیٰ تمھارے جسموں اور صورتوں کو نہیں دیکھتا،

اُس کی نگاہ تو تمھارے دلوں پر ہے۔''

فوائد:- اس حدیث میں صراحت کے ساتھ یہ بات بیان کردی گئی ہے کہ اعمال کی قبولیت کی بنیاد دل کی کیفیت پر ہے عمل چاہے چھوٹا ہو یا بڑا، عبادت سے متعلق ہو یا عادت وضرورت سے، اگر اخلاص اور رضائے الٰہی کی نیت سے کیا جائے گا تو اللہ تعالیٰ اس پر نظر قبولیت ڈالیں گے ورنہ وہ عمل بے جان ہے، اور اللہ کے یہاں اس کی کوئی حیثیت نہیں۔ اللہ کو راضی کرنے کی اسی نیت اور اس کے استحضار کا نام اخلاص ہے۔

اخلاص ایک ایسی تیز تلوار ہے جو رضائے الٰہی کے اس بلند مقصد کے علاوہ ہر مقصد کو فنا کردیتی ہے، پھر نہ متاعِ دنیا کی طلب رہتی ہے اور نہ ملک و دولت اور سلطنت وریاست کی چاہت، اور نہ سربلندی اور عزت کی خواہش، نہ غلبہ

واقتدار کی ہوس ، نہ عیش وعشرت اورراحت وآرام کی تمنا، اورنہ غضب وانتقام کا جذبہ۔

لہٰذا ہر وہ عمل جس کوانسان صرف رضائے الٰہی اورجذبۂ اخلاص اوراطاعت وفرمانبرداری کے ساتھ انجام دے وہ قرب الٰہی ، اوریقین وایمان کے اعلیٰ درجہ تک پہنچنے کا ذریعہ ہے۔ وہ عمل راہ خدامیں جہاد وقتال ہو یاحکومت وانتظام، دنیا کی نعمتوں سے استفادہ ہو یانفس کے جائز تقاضوں کی تکمیل ،اس کے یہ سارے اعمال سراپاعبادت شمار ہوں گے۔ اوراس کے برخلاف ہروہ عبادت اوردینی خدمت دنیاداری سمجھی جائے گی جواخلاص اوررضائے الٰہی سے خالی ہو۔ چاہے فرض نماز ہجرت وجہاد، ذکر وتسبیح اور راہِ خدامیں شہادت ہی کیوں نہ ہو۔

اللہ کے رسول (ﷺ) نے صاف صاف فرمادیا کہ اللہ تمھاری ظاہری شکلوں کونہیں دیکھتا،اس کی نگاہ توتمھارے دلوں پرہے۔دل کی کیفیت پرقبولیت کا مداررکھا گیاہے، چنانچہ اگر بڑے سے بڑاعمل بھی اخلاص وللٰہیت سے خالی ہوگا تووہ فائدہ پہنچانے کے بجائے وبال جان ہوگا۔

جہادکرکےشہیدہوجانے والا،علم دین کا سیکھنےاورسکھانے والا ،اورسب کچھ دینی کاموں میں خرچ کردینے والابھی،اگر یہ کام شہرت ونا موری کے لیے کرتا ہے ،اللہ کی رضااس کامقصودنہیں ہوتی تو حدیث میں آتا ہے کہ ایسےلوگوں کومنھ کے بل جہنم میں ڈال دیاجائے گا۔

درود شریف کی فضیلت

(٣)عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ (رضي الله عنه)قَالَ؛ قَالَ رَسُولِ اللّٰهِ (صلى الله عليه وسلم):
"مَنْ صَلَّى عَلَيَّ وَاحِدَةً صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ عَشْرًا". ☆

حضرت ابو ہریرہ (رضي الله عنه) سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول (صلى الله عليه وسلم) نے فرمایا:
"جو شخص مجھ پر ایک مرتبہ درود بھیجے
اللہ تعالیٰ اس پر دس مرتبہ رحمت نازل فرماتا ہے۔"

فوائد:- صلوٰۃ وسلام اللہ تعالیٰ کے حضور میں پیش کی جانے والی بہت اعلیٰ اور بلند درجہ کی ایک دعا ہے جو رسول اللہ (صلى الله عليه وسلم) کی ذات گرامی سے اپنی ایمانی وابستگی اور محبت کے اظہار کے لیے آپ کے حق میں کی جاتی ہے، اور اس کا حکم ہم بندوں کو خود اللہ تعالیٰ کی طرف سے قرآن مجید میں بڑے مؤثر انداز میں دیا گیا ہے، فرمان ربانی ہے: ﴿اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا﴾ "بے شک اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے نبی پر درود بھیجتے ہیں، اے ایمان والو! تم بھی صلوٰۃ وسلام پیش کیا کرو۔"

اس آیت سے ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ کتنا محبوب عمل ہے، اسی آیت کی رُو سے فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ رسول اللہ (صلى الله عليه وسلم) پر صلوٰۃ وسلام بھیجنا

مسلمان پر زندگی میں ایک مرتبہ فرض ہے۔ اوراحادیث میں نام مبارک آنے کے بعد درود نہ بھیجنے والے کو شقی اور بخیل تر لوگوں میں شمار کیا گیا ہے، اور اس سلسلہ میں آپ کے ارشادات اتنے سخت ہیں کہ ان کا تحمل دشوار ہے؛ اور کیوں نہ ہو؟! آپ کے احسانات امت پر اس سے کہیں زیادہ ہیں کہ تقریر وتحریر ان کا شمار کر سکے۔

اس سے یہ بھی نتیجہ نکلتا ہے کہ رسول اللہ (ﷺ) کے بارے میں ایک مسلمان سے اس سے کہیں زیادہ مطلوب ہے جس کو صرف قانون اور ضابطہ کا تعلق کہا جاتا ہے، اور جو صرف ظاہری اطاعت سے پورا ہو جاتا ہے، بلکہ اس سے بڑھ کر وہ پاس وادب، عشق ومحبت اور تشکر واطمینان کا جذبہ بھی مطلوب ہے جس کے چشمے دل کی گہرائیوں سے پھوٹتے ہوں اور جو رگ وریشہ میں سرایت کر گیا ہو۔ پھر درود شریف کے فضائل اس قدر ہیں کہ ان سے محرومی خود اپنی بدنصیبی ہے۔ رحمت الٰہی کا متوجہ ہونا ، ملائکہ کا دعا کرنا، گناہوں کا معاف ہونا، درجات کا بلند ہونا ،شفاعت کا واجب ہونا، دل کے زنگ کی صفائی، اور تقرب الٰہی کا حاصل ہونا؛ یہ وہ فضائل ہیں جو درود شریف کی کثرت پر احادیث میں وارد ہیں۔

يَارَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا أَبَداً　　　عَلٰى حَبِيبِكَ خَيْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمُ

علم دین کی اہمیت وعظمت

(٤)عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ (رضي الله عنه)قَالَ؛ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ (صلى الله عليه وسلم):

"مَنْ سَلَكَ طَرِيقاً يَلْتَمِسُ فِيهِ عِلماً سَهَّلَ اللّٰهُ لَهُ

طَرِيقًا إِلَى الْجَنَّةِ". ☆

حضرت ابو ہریرہ (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا:

"جو شخص علم کی تلاش میں کسی راستہ پر چلے گا
اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت کا راستہ آسان فرمادیں گے۔"

فوائد:- اس حدیث میں بڑی بشارت ہے ان لوگوں کے لیے جو طلب علم میں مشغول ہوں، خواہ وہ کسی بھی طریقہ پر علم حاصل کررہے ہوں، لیکن یہ بات ملحوظ رہنی چاہیے کہ دین کی اصلاح میں عام طور پر علم اسی کو کہتے ہیں جو معرفت الٰہی اور خداشناسی کا ذریعہ ہو، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: "إِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ" (اللہ سے اس کے بندوں میں وہی لوگ ڈرتے ہیں جو جاننے والے ہوتے ہیں) یعنی معرفت الٰہی کے حامل ہوتے ہیں۔ اور اسی کو سورہ "اقرأ" میں فرمایا گیا ہے: "اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ" (اپنے رب کے نام سے پڑھیے)۔

اس سے یہ بات بخوبی واضح ہو جاتی ہے کہ علم کو اسم الٰہی کے ساتھ جڑا رہنا چاہیے، اور اس کو معرفت الٰہی کا زینہ بننا چاہیے، ورنہ وہ علم حقیقت میں علم کہلانے کا مستحق نہیں جو اسم رب سے خالی ہو کہ وہ ہزار جہالتوں، ضلالتوں اور گمراہیوں کا ذریعہ بنتا ہے۔

بلاشبہ جو علم معرفت الٰہی کا ذریعہ ہو اس کی تحصیل افضل ترین اعمال میں سے ہے، اور متعدد حدیثوں میں اس کے حاصل کرنے والوں کو بشارتیں دی گئی ہیں بلکہ احکام دین کا علم (جس میں عقائد بھی ہیں عبادات واعمال بھی اور طریقۂ معاشرت بھی) ہر ہر مسلمان پر فرض ہے۔ ہر وہ طالب علم جو اپنے اوقات کو اس میں صرف کرے اور استحضار نیت کے ساتھ پوری طرح اس میں مشغول ہو بڑی بشارتوں کا مستحق ہے، اس کے لیے فرشتوں کا پر بچھانا، سکینت کا نازل ہونا، رحمت الٰہی کا اس کو ڈھانپ لینا؛ یہ وہ وعدے ہیں جو خود احادیث مبارکہ میں وارد ہوئے ہیں۔

مگر اس کی شرطوں میں سے یہ بھی ہے کہ آداب طالب علمی کا پورا خیال ہو اور رضائے الٰہی کے حصول کے لیے تحصیل کی جائے، ورنہ جو دین کا علم دنیا کے نفع کے لیے حاصل کرتا ہے اس کے بارے میں فرمان نبوی ہے: ''لَمْ يَجِدْ عَرْفَ الْجَنَّةِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ يَعْنِي رِيحَهَا '' (اس کو قیامت کے روز جنت کی خوشبو بھی نصیب نہ ہوگی)۔ اللہ تعالیٰ صحیح نیت کے ساتھ اور پورے آداب کے ساتھ تحصیل علم کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

اولیاء اللہ سے دشمنی کا وبال

(٥)عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ (رضی اللہ عنہ)قَالَ؛ قَالَ رَسُولِ اللّٰهِ (صلی اللہ علیہ وسلم):

"إِنَّ اللّٰهَ تَعَالىٰ قَالَ:مَنْ عَادىٰ لِي وَلِيًّا فَقَدْ آذَنْتُهُ بِالْحَرْبِ". ☆

حضرت ابوہریرہ (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا:

''اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: جو میرے کسی ولی سے دشمنی کرے گا

اس سے میرا اعلان جنگ ہے۔''

فوائد:- بہت ڈرنے کا مقام ہے! اللہ تعالیٰ جس سے اعلان جنگ فرمادے اس کا کہاں ٹھکانہ ہوسکتا ہے؟! اس کے ساتھ یہ مضمون بھی ذہن نشیں کرلینا چاہیے کہ حصول ولایت کی بھی شرطیں ہیں، اس میں بنیادی چیز عقیدہ کی صحت ہے پھر اتباع سنت اور مختلف عبادات کی کثرت ہے، لیکن شرط یہ ہے کہ نیت صحیح ہو اور حضوریِ قلب کے ساتھ ان کو کیا جائے۔ اللہ کے ولی کو پہچاننے کی ایک آسان علامت یہ بھی ہے کہ اس کے پاس بیٹھ کر خدایاد آئے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے دو جگہ اعلان جنگ کا تذکرہ ہے؛ ایک تو سودی لین دین کرنے والوں کے لیے، اور دوسرے اولیاء اللہ سے دشمنی مول لینے والوں کے لیے۔ اس زمانے میں ان دونوں چیزوں میں بہت تساہل

برتا جارہا ہے؛ اسلاف امت کو ہدف ملامت بنانے میں عام طور پر کوئی باک نہیں ہوتا، اوراس پر احقاق حق کا پردہ ڈال دیا جاتا ہے،ایسا کرنے والوں کوخوب سوچ لینا چاہیے کہ کہیں وہ اپنے آپ کوغضب الٰہی کا مستحق تو نہیں بنارہے ہیں کہ شوق تحقیق اور بے جا تنقید کے نتیجہ میں اپنی آخرت کھو بیٹھیں اور کچھ ہاتھ نہ آئے!

یہ بات بھی اس سے بخوبی واضح ہوجاتی ہے کہ اگر ان سے محبت رکھی جائے،اوران کے کاموں کواجاگر کیا جائے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہدایت کے دروازے کھلتے ہیں،توفیق الٰہی شامل حال ہوجاتی ہے،بندہ بڑے اجر وثواب کا مستحق ہوتا ہے،بعض مرتبہ اوراعمال کی کوتاہیاں بھی معاف کردی جاتی ہیں۔ اورجس سے اس نے محبت کی ہے قیامت میں اسی کے ساتھ اس کا حشر ہوگا جیسا کہ ارشاد نبویؐ ہے: ''اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ أَحَبَّ'' (آدمی کا حشر اس کے ساتھ ہوگا جس سے اس نے محبت کی)۔

☆☆☆

تحقیر مسلم پر وعید

(٦)عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ (رضي الله عنه)قَالَ؛ قَالَ رَسُوْلِ اللّٰهِ (صلى الله عليه وسلم):

"بِحَسْبِ امْرِیءٍ مِنَ الشَّرِّ أَنْ يَحْقِرَ أَخَاهُ الْمُسْلِمَ". ☆

حضرت ابو ہریرہ (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا:

''آدمی کے لیے یہی برائی کافی ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کو حقیر سمجھے۔''

فوائد:- یہ ایک طویل حدیث کا ٹکڑا ہے جس میں آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا کہ ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے؛ نہ خود اس پر ظلم وزیادتی کرے نہ دوسروں کے لیے اس کو بے یار ومددگار چھوڑے، نہ اس کی تحقیر کرے۔ (حدیث کے راوی حضرت ابو ہریرہ (رضی اللہ عنہ) فرماتے ہیں کہ اس موقع پر رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اپنے سینہ مبارک کی طرف تین دفعہ اشارہ کرکے فرمایا) تقویٰ یہاں ہوتا ہے۔ آدمی کے لیے یہی برائی کافی ہے کہ وہ اپنے کسی مسلمان بھائی کو حقیر سمجھے۔ مسلمان کی ہر چیز دوسرے مسلمان کے لیے قابل احترام ہے؛ اس کا خون بھی، اس کا مال بھی، اس کی آبرو بھی۔

اس حدیث میں رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے یہ ہدایت فرمائی ہے کہ کوئی مسلمان

دوسرے مسلمان کو حقیر نہ سمجھے۔ یہ بھی فرمایا کہ تقویٰ دل کی کیفیت کا نام ہے۔ اس سے یہ اشارہ بھی مقصود ہے کہ کیا خبر جس کو تم اپنی ظاہری معلومات وقرائن سے قابل تحقیر سمجھتے ہو اس کے باطن میں تقویٰ ہو، اور وہ اللہ کے نزدیک مکرم ہو! اس لیے کسی مسلم کے لیے جائز نہیں کہ وہ کسی دوسرے کو حقیر سمجھے۔

اس زمانے میں عیب جوئی، غیبت، پھر اس سے بڑھ کر برسرِ عام دوسروں کی تحقیر کرنے، اور رسوا کرنے کا عام چلن ہو گیا ہے، اس حدیث میں ان افعالِ بد پر کھل کر نکیر فرمائی گئی ہے، اور صاف کہہ دیا گیا ہے کہ ایک مسلمان کسی دوسرے مسلمان کو نہ حقیر سمجھے اور نہ ہی اس کی تحقیر کرے۔ اور اس کا اسی طرح خیال کرے جیسے اپنے سگے بھائی کا کرتا ہے کہ ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا دینی بھائی ہے، اس کے لیے وہی پسند کرے جو اپنے لیے پسند کرتا ہے کہ یہ اس کے ایمان کا تقاضا ہے۔ اللہ کے رسول (ﷺ) کا ارشاد ہے: ''لَا یُؤْمِنُ أَحَدُکُمْ حَتّٰی یُحِبَّ لِأَخِیْهِ مَایُحِبُّ لِنَفْسِهٖ'' (تم میں سے کوئی اس وقت تک مومن کامل نہیں ہو سکتا ہے جب تک کہ اپنے بھائی کے لیے وہی پسند نہ کرے جو اپنے لیے پسند کرتا ہے)۔

بدگمانی پر نکیر

(۷)عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ (رضی اللہ عنہ)قَالَ؛ قَالَ رَسُوْلِ اللّٰهِ (صلی اللہ علیہ وسلم):

"إِيَّاكُم وَالظَّنَّ، فَإِنَّ الظَّنَّ أَكْذَبُ الْحَدِيْثِ". ☆

حضرت ابو ہریرہ (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا:

:''بدگمانی سے بچو کیوں کہ بدگمانی سب سے بڑا جھوٹ ہے۔''

فوائد:- بدگمانی ایک قسم کا جھوٹا وہم ہے؛ جو شخص اس بیماری میں مبتلا ہو اس کا حال یہ ہوتا ہے کہ جس کسی سے اس کا ذرا سا اختلاف ہو اس کے ہر کام میں اس کو بدنیتی ہی بدنیتی معلوم ہوتی ہے پھر محض اسی وہم اور بدگمانی کی وجہ سے وہ اس کی طرف بہت سی فرضی باتیں منسوب کرنے لگتا ہے، پھر اس کا قدرتی طور پر ظاہری برتاؤ پر بھی اثر پڑتا ہے، اور اس دوسرے شخص کی طرف سے بھی اس کا ردعمل ہوتا ہے، اس طرح دل پھٹ جاتے ہیں اور تعلقات خراب ہو جاتے ہیں۔

رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اس حدیث میں بدگمانی کو ''أکذب الحدیث'' فرمایا ہے۔ بظاہر اس کا مطلب یہ ہے کہ کسی کے خلاف زبان سے اگر جھوٹی بات کہی

جائے تو اس کا سخت گناہ ہونا ہر مسلمان جانتا ہے، لیکن کسی کے متعلق بدگمانی کو اتنا برا نہیں سمجھا جاتا! آپ (ﷺ) نے متنبہ فرمایا کہ یہ بدگمانی بھی بہت بڑا بلکہ سب سے بڑا جھوٹ ہے، اور دل کا یہ گناہ زبان والے جھوٹ سے کم نہیں کہ اس سے دلوں میں کذب وعداوت کا بیج پڑتا ہے، اور ایمانی تعلق جس محبت وہمدردی اور جس اخوت ویگانگت کو چاہتا ہے، اس کا امکان بھی باقی نہیں رہتا۔

عام طور پر بدگمانی کے نتیجے میں بغض اور کینہ بھی پیدا ہو جاتا ہے اور دل صاف نہیں رہ جاتے، جب کہ آنحضرت (ﷺ) نے ایک مرتبہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کو خطاب کرتے فرمایا تھا کہ ''اے بیٹے! اگر تم کرسکو کہ صبح وشام اس حال میں کرو کہ تمھارے دل میں کسی کے لیے میل نہ ہو تو ایسا کرلو اس لیے کہ یہ میری سنت ہے اور جو میری سنت کو پسند کرتا ہے وہ مجھ سے محبت کرتا ہے اور جس نے مجھ سے محبت کی وہ جنت میں میرے ساتھ ہوگا۔'' کتنی بڑی بشارت ہے ان لوگوں کے لیے جو ہر طرح کی بدگمانی اور کینہ وکھوٹ سے اپنے دلوں کو پاک رکھتے ہیں۔

غیبت کے نتیجے میں بھی بدگمانیاں پیدا ہوتی ہیں اس لیے غیبت کرنا بھی گناہ ہے اور غیبت سننا بھی گناہ ہے۔ آخری درجہ کی بات ہے کہ ایک مرتبہ کسی نے حضور (ﷺ) کے سامنے کسی کی برائی بیان کی تو آپ (ﷺ) نے منع فرمایا اور فرمایا کہ میں اللہ سے اس حال میں ملنا چاہتا ہوں کہ میرے دل میں کسی کے بارے میں کوئی غبار نہ ہو۔

خیر خواہی کا بدلہ

(٨)عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ (رضي الله عنه)قَالَ؛ قَالَ رَسُوْلِ اللّٰهِ (صلى الله عليه وسلم):

"اَللّٰهُ فِي عَوْنِ الْعَبْدِ مَا كَانَ الْعَبْدُ فِي عَوْنِ أَخِيهِ". ☆

حضرت ابو ہریرہ (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا:

"اللہ تعالیٰ اپنے بندہ کی مدد کرتا رہتا ہے

جب تک بندہ اپنے بھائی کی مدد کرتا ہے۔"

فوائد:- احادیث مبارکہ میں جن چیزوں پر بہت زیادہ زور دیا گیا ہے ان میں باہمی تعاون اور جذبۂ اخوت کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ﴾ (نیکی اور تقویٰ پر ایک دوسرے کی مدد کرو، اور گناہ اور سرکشی میں ہاتھ روک لو)۔

اس حدیث میں نبی اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے باہمی تعاون کے فوری اور لازوال فائدے کا ذکر فرمایا ہے؛ جب تک بندہ اپنے بھائی کا تعاون کرتا رہتا ہے اللہ تبارک وتعالیٰ اس کی مدد فرماتا رہتا ہے ۔ پھر صحیح اسلامی معاشرے کی تشکیل کے لیے بھی آپس کے تعاون

اوراشتراک عمل کی بڑی ضرورت اوراہمیت ہے، اس لیے بھی اس کی بڑی تاکید اورفضائل وارد ہوئے ہیں۔

مسلم شریف کی ایک حدیث قدسی میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن بندے کومخاطب کر کے فرمائے گا: اے ابن آدم! میں بیمار ہوا تو نے میری عیادت نہیں کی؟ بندہ کہے گا اے رب! میں تیری عیادت کیسے کرتا' تو رب العالمین ہے؟! اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ میرا فلاں بندہ بیمار ہوا تھا تو نے اس کی عیادت نہیں کی! کیا تجھے نہیں معلوم کہ اگر تو اس کی عیادت کرتا تو مجھے اس کے پاس پاتا! پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا: اے ابن آدم! میں نے تجھ سے کھانا مانگا تھا تو نے مجھے کھانا نہیں کھلایا؟ بندہ کہے گا: اے رب! تو رب العالمین ہے، میں تجھے کیسے کھلاتا؟ تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا: تجھے نہیں معلوم کہ میرے فلاں بندے نے تجھ سے کھانا مانگا تھا تو نے نہیں کھلایا! کیا تو نہیں جانتا کہ اگر تو اس کو کھانا کھلاتا تو مجھے اس کے پاس پاتا؟ پھر اسی طرح اللہ تعالیٰ پانی پلانے کے بارے میں فرمائے گا، اور بندہ وہی کہے گا کہ تو رب العالمین ہے میں کیسے پلاتا؟ تو اللہ تبارک وتعالیٰ فرمائے گا کہ اگر تو اس کو پانی پلاتا تو مجھے اس کے پاس پاتا۔

اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ایک مسلمان دوسرے مسلمان کی جیسی مدد کرے گا اللہ تعالیٰ بھی اسی طرح اس کے ساتھ اپنی رحمت ونصرت کا معاملہ فرمائے گا۔

مسلمان کی شان

(۹)عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ (رضی اللہ عنہ)قَالَ؛ قَالَ رَسُولِ اللّٰهِ (صلی اللہ علیہ وسلم):

"اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ النَّاسُ مِنْ لِسَانِهٖ وَيَدِهٖ". ☆

حضرت ابوہریرہ (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا:

''صحیح مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے لوگ محفوظ ہوں۔''

فوائد:- عقائد فرائض، اور حقوق اللہ کے بعد حقوق العباد کا مسئلہ مقدم اور سب سے اہم ہے، یہ بات محقق ہے کہ اللہ تعالیٰ چاہے گا تو اپنے حقوق معاف کردے گا لیکن بندوں کے حقوق ومطالبات کو معاف کرنا اس نے بندوں ہی کے اختیار میں دے رکھا ہے۔ مسلم کی ایک روایت میں آتا ہے کہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے صحابہ کرام کی ایک مجلس میں سوال فرمایا کہ جانتے ہو کہ کنگال اور تہی دست کون ہے؟ صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) نے عرض کیا کہ ہمارے یہاں کنگال اور تہی دست اس کو سمجھتے ہیں جس کے پاس نہ نقدی ہو نہ سامان۔ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا: میری امت میں مفلس (کنگال) وہ ہے جو قیامت کے دن نماز، روزہ، زکوٰۃ سب لے کر آئے گا لیکن کسی کا خون بہایا ہوگا، کسی کو گالی دی ہوگی، کسی پر تہمت لگائی ہوگی، کسی کا مال کھایا ہوگا، کسی کو مارا ہوگا، تو قیامت میں

اس کی نیکیاں ان لوگوں کو دے دی جائیں گی، اور جب نیکیاں بھی ختم ہو جائیں گی اور مطالبے باقی ہوں گے تو ان کے گناہ اس پر لاد دیے جائیں گے پھر وہ جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔

بڑے ڈرنے کا مقام ہے! باہمی معاملات اور حقوق میں ہم سے بہت کوتاہیاں ہوتی ہیں، اور وہ اکثر ہمارے ذمہ رہ جاتے ہیں۔ اس زمانے میں بڑے عبادت گزاروں، اور نوافل کا اہتمام کرنے والوں کو بھی اس میں تساہل برتتے دیکھا گیا ہے؛ خاص طور پر زبان کی حفاظت کا مسئلہ بہت ہی اہم ہے، اس کو سنبھالنا بڑا مشکل ہوتا ہے، اس سے کسی کو تکلیف نہ پہنچے، کسی بندۂ خدا کا دل نہ دکھے بڑے دل گردہ کا کام ہے۔ بعض مرتبہ زبان کا وار تلوار کے وار سے زیادہ کاری ہوتا ہے؛ اس لیے ہم پر لازم ہے کہ اپنے قول و عمل سے ہم کسی کو اذیت نہ دیں، بلکہ ہر انسان کے لیے خیر کا جذبہ رکھتے ہوں، تاکہ ہمارے ایمان کی تکمیل ہو سکے، ہم آخرت کے عذاب سے محفوظ رہیں، اور میدان حشر میں ہمارا حال اس مفلس کی طرح نہ ہو جس کا تذکرہ مذکورہ بالا حدیث میں ہوا ہے۔

☆☆☆

رحم دلی

(۱۰)عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ (رضی اللہ عنہ) قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ (ﷺ):

"مَنْ لَا يَرْحَمُ لَا يُرْحَمُ". ☆

حضرت ابو ہریرہ (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول (ﷺ) نے فرمایا:

"جو رحم نہیں کرتا اس پر رحم نہیں کیا جاتا۔"

فوائد:- رسول اللہ (ﷺ) نے اخلاق کے سلسلہ میں جن باتوں پر خاص طور سے زور دیا ہے، اور آپ کی اخلاقی تعلیم میں جن کو خاص اہمیت حاصل ہے ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ آدمی کو چاہیے وہ لوگوں کے ساتھ نرمی کا اور رحم دلی کا معاملہ کرے۔ آپ (ﷺ) نے اس کی عظمت یوں بھی بیان فرمائی ہے کہ نرمی اللہ تعالیٰ کی ذاتی صفت ہے۔ پھر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کو یہ محبوب ہے کہ اس کے بندوں کا باہمی معاملہ اور برتاؤ نرمی کا ہو۔ یہ بھی فرمایا کہ وہ نرمی پر جس قدر دیتا ہے سختی پر نہیں دیتا۔

یہ روزمرہ کا تجربہ ہے کہ آپس کی ملاطفت، رحم دلی اور نرمی سے جتنے کام بن جاتے ہیں وہ کسی اور چیز سے نہیں بنتے، پھر اس میں اللہ کا خاص فضل اور اس

کی نگاہ رحمت شامل ہو جاتی ہے۔ اور یہی سنت کا طریقہ ہے، اس کے برخلاف جو لوگ درشتی سے کام لیتے ہیں اور سنگ دلی برتتے ہیں وہ عام طور پر عنایات ربانی سے محروم رہتے ہیں۔

حدیث میں آتا ہے کہ ”قیامت میں ایک شخص لایا جائے گا اور کہا جائے گا کہ کیا اس کے پاس کوئی نیکی ہے؟ معلوم ہوگا کہ اس کے پاس صرف یہ نیکی ہے کہ وہ جب معاملات انجام دیا کرتا تھا تو لوگوں کو مہلت دے دیا کرتا تھا اور تنگ دستوں کو معاف کر دیا کرتا تھا۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ میں بندوں پر اس سے زیادہ مہربان ہوں، جاؤ! میں نے اس کو معاف کیا۔“

ایک دوسری حدیث میں آتا ہے: ”اِرْحَمُوْا مَنْ فِي الْأَرْضِ يَرْحَمْكُمْ مَنْ فِي السَّمَاءِ“ (تم زمین والوں پر رحم کرو آسمان والا تم پر رحم کرے گا)۔

یہ نرمی اور مہربانی ہر ایک کے ساتھ ہو؛ اس میں اپنوں' پرایوں میں کوئی فرق نہ کیا جائے، البتہ جو جتنا زیادہ رشتہ میں قریب ہو، پڑوس کی قربت رکھتا ہو اس کا حق بھی اتنا ہی زیادہ ہے۔

صلہ رحمی

(۱۱) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ (رضی اللہ عنہ) قَالَ؛ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ (صلی اللہ علیہ وسلم):

"مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلْيَصِلْ رَحِمَهُ". ☆

حضرت ابوہریرہ (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا:

"جو اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہو

اسے چاہیے کہ وہ صلہ رحمی کرے۔"

فوائد:- اسلامی تعلیم میں والدین اور دوسرے اہل قرابت کے ساتھ حسن سلوک پر بہت زور دیا گیا ہے، اور صلہ رحمی اس کا خاص عنوان ہے: اہل قرابت میں پہلا درجہ والدین کا ہے، پھر ان میں بھی ماں کو اولیت حاصل ہے۔ قرآن مجید کی متعدد آیات میں ان کے ساتھ حسن سلوک کی تاکید کی گئی ہے؛ اور اس سلسلہ میں کوتاہی کرنے والوں کے لیے بربادی کی بددعا خود حضرت جبرئیل (علیہ السلام) نے فرمائی ہے جس پر رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے آمین فرمائی؛ بلاشبہ ایسے شخص کی ہلاکت میں کیا تردد ہوسکتا ہے؟! اگر ماں باپ کا انتقال ہو چکا ہو تو ان کے ساتھ حسن سلوک کا طریقہ حدیث میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ ان کے لیے

دعائے مغفرت کی جائے ، اوران کے دوستوں کی عزت کی جائے اوران کے ساتھ حسن سلوک کیا جائے۔

والدین کے بعد دوسرے اہل قرابت کا درجہ ہے۔قرآن مجید میں جہاں والدین کی خدمت اوران کے ساتھ حسن سلوک کی تاکید کی گئی ہے وہیں ''وَذِي الْقُرْبیٰ ''فرما کردوسرے اہل قرابت کے ساتھ حسن سلوک،اوران کے حقوق قرابت کی ادائیگی کی بھی وصیت فرمائی گئی ہے۔اس حدیث میں بھی اس کوایمان کا جز فرمایا گیاہے ۔ دوسری جگہ درازیِ عمر اوروسعت رزق کا اس کوذریعہ قرار دیا گیاہے،اورقطع رحمی کرنے والوں کو''جنت کا راستہ بھٹکنے والا'' فرمایا ہے۔

عام طور سے صلہ رحمی اس کوسمجھا جاتا ہے کہ صلہ رحمی کرنے والے کے ساتھ صلہ رحمی کی جائے ،مگر حدیث میں آتا ہے کہ برابر سرابر کا معاملہ کرنے والا صلہ رحمی کرنے والوں میں نہیں ، بلکہ صلہ رحمی کرنے والا وہ ہے جوقطع رحمی کرنے والے کے ساتھ بھی بہتر سلوک کرے۔

وَفَّقَنَا اللّٰهُ تَعَالَیٰ لِذٰلِكَ (آمین!)

☆☆☆

پڑوسی کی عزت

(۱۲) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ (رضی اللہ عنہ) قَالَ؛ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ (صلی اللہ علیہ وسلم):

"مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلْيُكْرِمْ جَارَهُ". ☆

حضرت ابو ہریرہ (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا:

"جو اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہو

اسے چاہیے کہ اپنے پڑوسی کی عزت کرے۔"

فوائد:- انسان کا اپنے قریبی رشتہ داروں کے علاوہ ایک مستقل واسطہ اور تعلق پڑوسیوں سے بھی ہوتا ہے اور اس کی خوشگواری اور ناخوشگواری کا زندگی کے چین وسکون اور اخلاق کے بناؤ بگاڑ پر بہت زیادہ اثر پڑتا ہے؛ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اپنی تعلیم وہدایت میں پڑوسی کے اس تعلق کو بڑی عظمت بخشی ہے ،اور اس کے احترام ورعایت کی بڑی تاکید فرمائی ہے، یہاں تک کہ اس کو جزء ایمان، داخلۂ جنت کی شرط اور رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی محبت کا معیار قرار دیا ہے۔

ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ حضرت جبرئیل (علیہ السلام) پڑوسی کے بارے میں برابر تاکید فرماتے رہے یہاں تک کہ میں خیال کرنے لگا کہ وہ اس کو وارث قرار دیں گے۔

پڑوسی کے راحت وآرام، کھانے پینے کی فکر، یہاں تک کہ اگر ناخواندہ لوگوں کا طبقہ ہوتو ان کی تعلیم، اور دین سکھانے کی فکر وکوشش کو پڑوسیوں کے حقوق میں شمار کیا گیا ہے؛ یہ دین کا ایک اہم شعبہ ہے جس سے اکثر لوگ غافل ہیں، اورافسوس کی بات یہ ہے کہ سب سے زیادہ پڑوسیوں کے حقوق پامال کیے جاتے ہیں، اور خاص طور پر اس مشینی دور میں ایک پڑوسی کو دوسرے پڑوسی کی خبر لینے کی نوبت بھی اکثر نہیں آتی، اور بعض مرتبہ سالہا سال گزر جانے کے باوجود بیگانگی ہوتی ہے۔ جب کہ حدیث میں یہاں تک وارد ہوا ہے کہ اپنے پڑوسیوں کی دیکھ بھال کرو، اور سالن تیار کرلو تو شوربہ بڑھا دو تا کہ تمہارے پڑوسی بھی اس سے محروم نہ رہیں۔

یہاں یہ بھی ملحوظ رہے کہ پڑوس میں جو سب سے زیادہ قریب ہو اس کا حق سب سے زیادہ ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ عمل کی توفیق عطا فرمائے کہ یہ احادیث مبارکہ ہمارے لیے مشعل راہ ہوں اور ہماری زندگی ان کے مطابق گزرے۔ (آمین!)

☆☆☆

مہمان نوازی

(۱۳)عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ (رضی اللہ عنہ)قَالَ؛ قَالَ رَسُوْلِ اللّٰهِ (صلی اللہ علیہ وسلم):

"مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلْيُكْرِمْ ضَيْفَهُ". ☆

حضرت ابوہریرہ (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا:

"جو اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہو

اسے چاہیے کہ اپنے مہمان کی عزت کرے۔"

فوائد:- اسلامی تعلیمات میں "اکرام ضیف" کو خاص اہمیت حاصل ہے۔مہمان کی عزت کرنا ،اس کی راحت و آرام کا خیال رکھنا؛ ایمانی تقاضوں میں سے ایک ہے ۔ ایک مرتبہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی خدمت میں چند لوگ حاضر ہوئے ،آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اپنی ازواج مطہرات کے گھروں میں معلوم کیا تو وہاں کچھ نہیں تھا،آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا کہ آج کی رات کون ان کی میزبانی کرے گا؟ ایک صحابی ان کو اپنے گھر لے گئے، وہاں معلوم ہوا کہ بچوں کے کھانے کے سوا اور کچھ نہیں ہے، انھوں نے اہلیہ سے کہا کہ بچوں کو بہلا پھسلا کر سُلا دو، پھر کھانا لگا کر کسی بہانے سے چراغ گل کر دینا،ہم

لوگ ان کے ساتھ کھانے میں اس طرح شریک ہوں گے کہ وہ سمجھیں گے کہ ہم ساتھ کھا رہے ہیں۔ انھوں نے ایسا ہی کیا؛ اور دونوں نے بھوکے رات گزاردی۔ جب صبح حاضر خدمت ہوئے تو آپ (ﷺ) نے فرمایا کہ اللہ کو تمھاری یہ ادا بہت پسند آئی، اور یہ آیت نازل ہوئی: ﴿وَيُؤْثِرُونَ عَلٰى أَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ﴾ ''وہ دوسروں کو اپنے آپ پر ترجیح دیتے ہیں اگر چہ ان کو فاقہ ہو۔'' یہ تھا صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) کا ایثار کہ خود بھوکے رات گزاردی لیکن مہمان کا بھوکا رہ جانا گوارا نہ ہوا!

یہ وہ اسلامی اخلاق ہیں جن سے آراستہ ہوکر صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) نے ایک عالم کو مسخر کیا؛ دنیا ان کے قدموں تلے آگئی اور اونٹوں کی گلّہ بانی کرنے والوں کو عالم کی گلّہ بانی کرنے کا شرف حاصل ہوا، اور دنیا نے ان کے بلند اخلاق اور کرم گستری کا کھلی آنکھوں مشاہدہ کیا۔ آج بھی اس بات کی ضرورت ہے کہ وہی اسلامی اخلاق اور اسلامی صفات پیدا کی جائیں۔ اور آج بھی اس امت کی ترقی کا راز اس میں مضمر ہے کہ چودہ سو سال پرانا نظام ہماری زندگیوں میں آجائے، اور ہم صحابہ کرام کے نقش قدم کو اپنے لیے حرز جاں بنالیں۔ (رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَزَقَنَا اتِّبَاعَهُمْ)

اسلام کی خوبی

(۱۴) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ (رضی اللہ عنہ) قَالَ؛ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ (صلی اللہ علیہ وسلم):

"مِنْ حُسْنِ إِسْلَامِ الْمَرْءِ تَرْكُهُ مَا لَا يَعْنِيهِ". ☆

حضرت ابو ہریرہ (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا:

''یہ بھی آدمی کے اسلام کی خوبی ہے کہ وہ فضول چیزوں کو چھوڑ دے۔''

فوائد:- یہ وصف دین اسلام کا امتیاز ہے کہ وہ زندگی کے ہر پہلو پر حاوی ہے، اور مسلمان کی پوری زندگی میں کوئی جز ایسا نہیں جو فضول یا لایعنی کہلانے کا مستحق ہو، یہاں تک کہ اس کے تفریح طبع سے متعلق اعمال وافعال بھی جب کہ وہ حدود کے اندر ہوں اور استحضار نیت کے ساتھ ہوں' عبادت بن جاتے ہیں۔ اور کسی صاحب ایمان کو یہ زیبا نہیں کہ وہ فضولیات میں اپنے قیمتی لمحات کو ضائع کرے جو اس کے پاس اللہ (جل جلالہ) کا بہترین تحفہ ہیں، اور جن کے بارے میں خداوند قدوس کی بارگاہ میں اس سے سوال ہوگا؛ ترمذی شریف کی ایک حدیث میں آتا ہے کہ بندہ قیامت کے دن اس وقت تک ٹل نہیں سکتا جب تک کہ اس سے پانچ چیزوں کے بارے میں سوال نہ کرلیا جائے: عمر کہاں گنوائی؟ جوانی کہاں لٹائی، مال کہاں سے کمایا اور کہاں خرچ کیا؟ اور جو جو جانا اس پر کہاں تک عمل کیا؟

اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اہل ایمان کی زندگی کا ایک ایک لمحہ اللہ کی امانت ہے، اوراس کو بے فائدہ اور لایعنی چیزوں میں صرف کرنا ایمانی تقاضوں کے خلاف ہے، اوراس کے بارے میں اس کی گرفت ہوسکتی ہے۔ اس کا نتیجہ یہی ہونا چاہیے کہ ایمان والوں کی پوری زندگی کارآمد ہو، جو دنیا وآخرت میں خوداس کے بھی کام آئے اور دوسروں کے لیے بھی وہ مفید بن سکے۔

سورہ ''والعصر'' میں اللہ تعالیٰ نے زمانہ کی قسم کھا کراس کی اہمیت بتادی ہے ،اس کی حیثیت ظرف کی ہے، اس کواچھی چیزوں سے بھرلیا جائے یا بری چیزوں سے، یا خالی رہنے دیا جائے۔ کامیاب وہ ہے جواس سے فائدہ اٹھائے اور مفید چیزوں سے بھرلے۔ ایمان والے کے لیے ہرآنے والا دن گذشتہ دن سے بہتر ہونا چاہیے یہاں تک کہ اس کی زندگی کا آخری دن سب سے بہتر ہو، اوراسی حال میں اپنے رب سے ملاقات کرے۔

اس سے یہ بات صاف ہوگئی کہ اپنے قیمتی وقت کو بے ضرورت گفتگو میں اور بے فائدہ کھیلوں میں صرف کرنا بھی مناسب نہیں، یہ بڑے گھاٹے کی بات ہے، وقت جوگذر جائے گا پھر ہاتھ آنے والا نہیں، اب اگر وہ بغیر کسی نفع کے گذر گیا تو یہ بھی ایک بڑا نقصان ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کی حفاظت فرمائے، اور وقت کی قدردانی کی توفیق بخشے۔

بھلی بات کہنا بھی صدقہ ہے

(۱۵)عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ (رضی اللہ عنہ)قَالَ؛ قَالَ رَسُوْلِ اللّٰهِ (صلی اللہ علیہ وسلم):

"اَلْكَلِمَةُ الطَّيِّبَةُ صَدَقَةٌ". ☆

حضرت ابو ہریرہ (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا:

"بھلی بات کہنا بھی صدقہ ہے۔"

فوائد:- انسان کی اخلاقی زندگی کے جن پہلوؤں سے لوگوں کا سب سے زیادہ واسطہ پڑتا ہے، اور جن کے اثرات ونتائج بھی دوررس ہوتے ہیں ان میں اس کی زبان کی شیرینی یا تلخی بھی ہے؛ اسی لیے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنے متبعین ومتعلقین کو شیریں گفتاری اور خوش کلامی کی بڑی تاکید فرماتے، اور بدزبانی اور سخت کلامی سے شدت کے ساتھ منع فرماتے۔ بعض مرتبہ آدمی کسی ایک بول سے اوج ثریا تک پہنچ جاتا ہے، اور بعض مرتبہ دیکھنے میں کسی معمولی بات سے تحت الثریٰ میں جا گرتا ہے؛ اس لیے زبان کی حفاظت اور اس کا برمحل استعمال بے حد ضروری ہے۔

کسی کے ساتھ اچھی بات نرم لہجے میں کرنا اس کے دل کی خوشی کا باعث ہوتا ہے، اور اللہ کے بندہ کے دل کو خوش کرنا بلاشبہ بڑی نیکی ہے۔ کسی بھٹکے

ہوئے کو راہ بتانا، کسی کو مناسب مشورہ دے دینا، نہ جاننے والے کو ضروری علم سے باخبر کردینا، جھگڑنے والوں میں صلح صفائی کرادینا؛ الغرض زبان سے کوئی بھی بھلائی کا بول بول دینا' کلمۂ خیر میں داخل ہے، اور یہ نیکیاں کمانے کا بہت آسان نسخہ ہے۔ صرف توجہ اور ارادے کی ضرورت ہے۔

دوسری طرف زبان کی حفاظت کی تاکید بھی فرمائی گئی ہے کہ اس سے ایسی بات نہ نکل جائے جس سے منفی اثرات مرتب ہوں اور کسی بندۂ خدا کا دل دکھے۔ جھوٹ، غیبت، چغلی، بدگوئی، فحش کلامی، لڑائی جھگڑا، گالیاں بکنا؛ یہ سب زبان کے گناہ ہیں، یہاں تک کہ بے ضرورت زیادہ گفتگو کرنا بھی خطرہ سے خالی نہیں، حدیث میں زبان کی مثال درانتی سے دی گئی ہے؛ جس طرح اس سے کھیتی کاٹی جاتی ہے اس کے ساتھ اچھی بری گھاس بھی کٹ جاتی ہے، اسی طرح زبان کی قینچی جب چلتی ہے تو آدمی بھول جاتا ہے کہ اس نے اپنے لیے کیا اچھا برا جمع کرلیا، اس لیے اس کے استعمال میں بڑی احتیاط کی ضرورت ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو زبان کے صحیح استعمال کی توفیق عطا فرمائے، اور پوری طرح اس کی حفاظت فرمائے۔ (آمین!)

اخلاقِ حسنہ

(۱۶)عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ (رضی اللہ عنہ)قَالَ؛ قَالَ رَسُولِ اللّٰهِ (صلی اللہ علیہ وسلم):

"أَكْمَلُ الْمُؤْمِنِيْنَ إِيْمَانًا أَحْسَنُهُمْ خُلُقًا". ☆

حضرت ابوہریرہ (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا:

''کامل ترین مومن وہ ہے جس کے اخلاق سب سے اچھے ہوں۔''

فوائد:- اچھے اور پاکیزہ اخلاق، ایمان کی نعمتوں میں سے عظیم نعمت ہیں۔خود نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اس کو اپنی بعثت کے مقاصد میں شمار فرمایا ہے؛ ارشاد نبوی (صلی اللہ علیہ وسلم) ہے: ''بُعِثْتُ لِأُتَمِّمَ مَكَارِمَ الْأَخْلَاقِ''(مجھے اس لیے بھیجا گیا ہے تاکہ میں مکارم اخلاق کی تکمیل کروں)۔اور کیوں نہ ہو جب کہ انسان کی زندگی میں اخلاق کی بڑی اہمیت ہے؛ اگر آدمی کے اخلاق اچھے ہوں تو خود اس کی زندگی بھی خوشگوار اور پُرسکون گزرتی ہے،اور دوسروں کے لیے بھی اس کا وجود باعث رحمت بن جاتا ہے۔اس کے برعکس اگر اس کے اخلاق بُرے ہوں تو وہ خود بھی زندگی کے لطف ومسرت سے محروم رہتا ہے،اور جن سے اس کا واسطہ پڑتا ہے ان کی زندگیاں بھی بے مزہ اور تلخ ہو جاتی ہیں؛ یہ تو اس کے نقد نتائج ہیں۔اور مرنے کے بعد والی ابدی زندگی میں خوش اخلاقی کا نتیجہ اُرحم

الراحمین کی رضا اور جنت ہے، اور بداخلاقی کا نتیجہ خداوند قہار کا غضب اور جہنم ہے۔

اچھے اور پاکیزہ اخلاق لازمۂ ایمان ہیں؛ جس کا ایمان کامل ہوگا اس کے اخلاق بھی بہت اچھے ہوں گے، اور جس کے اخلاق اچھے ہوں گے اس کا ایمان بھی کامل ہوگا۔ بغیر ایمان کے اخلاق بے جان اور بے روح ہیں، جن کی نہ کوئی حقیقت ہے اور نہ اللہ (جل جلالہ) کے یہاں ان کی کوئی قدر و قیمت۔ اگر ایمان کے ساتھ اچھے اخلاق ہیں تو بلاشبہ ان کا مقام بہت بلند ہے، اور وہ انسانیت کی صلاح وفلاح کے لیے بیش قیمت جوہر ہیں، اور ان سے بندہ اللہ تعالیٰ کے دربار میں وہ قرب حاصل کرتا ہے جو بعض مرتبہ بڑی عبادتوں سے بھی حاصل نہیں ہوتا۔ خود نبی اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) کے بارے میں قرآن مجید نے گواہی دی ہے کہ ''وَإِنَّكَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِيمٍ '' (اور یقیناً آپ بہت بلند اخلاق پر ہیں)۔ اور امت کی ذمہ داری ہے کہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے بلند اخلاق سے روشنی حاصل کرے، اور اسی روشنی میں زندگی کا سفر طے کرے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اخلاق حسنہ سے مزین فرما کر اپنے قرب خاص سے نوازے۔ (آمین!)

راہِ خدا میں نکلنے کی فضیلت

(۱۷)عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ (رضی اللہ عنہ)قَالَ؛ قَالَ رَسُولِ اللّٰهِ (صلی اللہ علیہ وسلم):

"لَرَوْحَةٌ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ أَوْ غَدْوَةٌ خَيْرٌ مِنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيهَا". ☆

حضرت ابوہریرہ (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا:

''اللہ تعالیٰ کے راستے میں صبح یا شام کو نکلنا دنیا و مافیہا سے بہتر ہے۔'

فوائد:- انبیاء کرام علیہم السلام کی بعثت کا سب سے بڑا اور بنیادی مقصد اللہ کے بندوں کو صحیح اور سیدھا راستہ بتانا ہوتا ہے۔ اللہ کے لیے اللہ کے راستے میں، اس کے کلمہ کو بلند کرنے کے لیے، دین کی خدمت کے لیے، اس کو سیکھنے اور سکھانے کے لیے، اس کی تبلیغ واشاعت کے لیے اپنے وقت کو لگانا، گھر بار کو چھوڑنا؛ اللہ کے نزدیک بندے کے مقبول ترین اعمال میں سے ہے۔ اس راہ میں جان و مال کی قربانی دینا، سب کی کڑوی کسیلی سننا، خون پسینہ بہانا، اپنی عزت وآبرو سے بے پرواہ ہوکر سب کچھ برداشت کرنا؛ انبیاء کرام علیہم السلام کا طریقہ، خاص طور سے ہمارے آقا و سردار، ہادیِ عالم (صلی اللہ علیہ وسلم) کی سنت ہے، اور افضل ترین اعمال میں سے ہے، جیسا کہ اس حدیث سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ آدمی اگر تھوڑی دیر کے لیے بھی نکلے، صبح نکلے یا شام نکلے' اس کا یہ عمل

اللہ کے نزدیک دنیا و مافیہا سے بہتر ہے۔

صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) کی زندگی اس کی عملی تصویر تھی؛ ان کی زندگی کے سارے لمحات اللہ کے راستہ میں بسر ہوتے تھے، اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کے حکم پر، اور دین کے تقاضوں پر مر مٹنے کے لیے تیار رہتے تھے۔ اب یہ سیکھنے سکھانے، تبلیغ و دعوت اور جہاد فی سبیل اللہ کا سلسلہ اسی امت کے افراد سے جاری رہے گا۔ جو بھی خود اپنے آپ کو اس مبارک سلسلہ میں جوڑے گا وہ اپنے لیے صلاح و فلاح کا سامان کرے گا، اور اللہ کے یہاں قرب خاص سے اس کو نوازا جائے گا۔ بہت ہی مبارک ہیں وہ لوگ کہ جن کی زندگی کا ایک ایک لمحہ اسی فکر اور سعی و عمل میں گزرتا ہے کہ کس طرح یہ دین امت کے ایک ایک فرد تک پہنچ جائے، اور کس طرح سے پوری امت شریعت کے سانچے میں ڈھل جائے، جن کی ساری صلاحیتیں اسی مقصد میں صرف ہوتی ہیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ امت کی طرف سے ان تمام حضرات کو بہترین جزا عطا فرمائے، اور ہم کو بھی ان کی اتباع کی توفیق بخشے۔ (آمین)

راہِ خدا میں نکلنے کی جزا

(۱۸)عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ (رضي الله عنه)قَالَ؛ قَالَ رَسُوْلِ اللّٰهِ (صلى الله عليه وسلم):

”لَا يَجْتَمِعُ غُبَارٌ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ وَدُخَانُ جَهَنَّمَ“. ☆

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ارشاد فرمایا:

”اللہ کے راستے کا غبار اور جہنم کا دُھواں ایک ساتھ جمع نہیں ہو سکتے۔“

فوائد:- اس حدیث میں یہ بات صاف صاف بیان کردی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے راستے میں اگر گرد و غبار بھی لگ جائے تو وہ بھی نجات کا ذریعہ بن جاتا ہے، اور اگر راستے میں اس سے بڑھ کر مشقتیں اُٹھانی پڑیں، اور غبار اور دھول کی جگہ خون اور پسینہ بہے تو بلاشبہ یہ اونچا مقام ہے، جیسا کہ ایک حدیث میں آتا ہے کہ شہید کو اس طرح اُٹھایا جائے گا کہ اس کا خون اسی طرح بہہ رہا ہوگا، لیکن رنگ خون کا ہوگا اور خوشبو مشک کی ہوگی۔ اس کے علاوہ متعدد وعدے ہیں جو راہ خدا میں نکلنے پر کیے گئے ہیں؛ اس میں ان تمام لوگوں کے لیے بڑی بشارت ہے جو کسی بھی طریقہ پر اخلاص کے ساتھ خدمتِ دین میں مشغول ہیں۔

دنیا کی حقیقت

(۱۹) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ (رضی اللہ عنہ) قَالَ؛ قَالَ رَسُوْلِ اللّٰهِ (صلی اللہ علیہ وسلم):

"اَلدُّنْيَا سِجْنُ الْمُؤْمِنِ وَجَنَّةُ الْكَافِرِ". ☆

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ارشاد فرمایا:

"دنیا مؤمن کے لیے قید خانہ اور کافر کے لیے جنت ہے"۔

فوائد:- انسانوں کی ہدایت ورہنمائی کے لیے، اور آخرت میں کبھی نہ ختم ہونے والی زندگی میں ان کو کامل فلاح و بہبود کے مقام تک پہنچانے کے لیے جن خاص نکتوں پر بہت زور دیا گیا ہے ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ انسان دنیا کو حقیر و بے قیمت سمجھے، اس سے زیادہ جی نہ لگائے بلکہ آخرت کو اپنی اصل منزل سمجھے، اور دنیا کے مقابلے میں اس کی جو قدر و قیمت اور اہمیت ہے اس کو پیش نظر رکھتے ہوئے وہاں کی کامیابی حاصل کرنے کی فکر اپنی تمام دنیوی فکروں پر غالب رکھے کہ اس کے دل کا رخ آخرت ہی کی طرف ہو۔ اسی لیے فرمایا گیا کہ "دنیا مؤمن کے لیے قید خانہ ہے۔" قیدی اپنی زندگی میں آزاد نہیں ہوتا بلکہ دوسروں کا پابند ہوتا ہے؛ جو دیا گیا کھالیا، جہاں کہا گیا بیٹھ گیا، وہ اپنی مرضی سے کچھ نہیں کرسکتا بلکہ چار و نا چار دوسروں کے اشارے پر چلتا ہے۔ اسی طرح ایک دوسری خصوصیت قید خانے کی یہ ہے کہ قیدی اس سے جی نہیں لگاتا، نہ اس کو اپنا گھر سمجھتا ہے، بلکہ ہر وقت اس سے نکلنے کا خواہش مند اور متمنی رہتا ہے، اس کے برعکس جنت کی خصوصیت یہ ہے کہ وہاں کوئی پابندی نہیں، جیسی چاہے گا اپنی مرضی سے زندگی

گزارے گا، اور اس کی ہر خواہش و آرزو پوری ہوگی۔

اس حدیث میں ایمان والوں کے لیے سبق ہے کہ وہ دنیا میں حکم وقانون کی پابندی والی' قیدخانے کی زندگی گزاریں، اور دنیا سے جی نہ لگائیں۔ اگر مسلمان کے دل کا تعلق اس دنیا کے ساتھ وہ ہے جو ایک قیدی کا قیدخانے کے ساتھ ہوتا ہے تو وہ پورا مؤمن ہے، اور اگر اس نے دنیا سے ایسا دل لگایا کہ وہ اس کی مطلوب و مقصود بن گئی تو یہ حدیث بتاتی ہے کہ اس کا یہ حال ایمان کے منافی ہے۔

ایک حدیث میں آنحضرت (ﷺ) نے ارشاد فرمایا ہے کہ اگر دنیا کی قیمت اللہ کے نزدیک مچھر کے پر کے برابر بھی ہوتی تو وہ کسی کافر کو ایک گھونٹ پانی بھی نہ دیتا۔ اور خود اللہ (جل جلالہ) کا ارشاد ہے کہ ﴿لَا يَغُرَّنَّكَ تَقَلُّبُ الَّذِينَ كَفَرُوا فِي الْبِلَادِ مَتَاعٌ قَلِيلٌ ثُمَّ مَأْوَاهُمْ جَهَنَّمُ وَبِئْسَ الْمِهَادُ﴾ (کافروں کا دوردورہ تمھیں دھوکے میں نہ ڈال دے، تھوڑا ہی لطف ہے، پھر ان کا ٹھکانہ جہنم ہے، وہ کیسی بری آرام گاہ ہے)۔

آج کے اس مادّی دور میں، اور زندگی کی موجودہ دوڑ میں ایمان والوں کی ذمہ داری اور بھی بڑھ جاتی ہے کہ وہ اپنا بھی جائزہ لیتے رہیں، اور امت کے دوسرے افراد کو بھی اپنا سبق یاد دلاتے رہیں۔ (وفقنا اللّٰه)

امتحان کا گھر

(۲۰) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ (رضي الله عنه) قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ (صلى الله عليه وسلم):

"حُفَّتِ الْجَنَّةُ بِالْمَكَارِهِ وَحُفَّتِ النَّارُ بِالشَّهَوَاتِ". ☆

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ارشاد فرمایا:

''جنت کو سختیوں سے، اور جہنم کو خواہشات سے گھیر دیا گیا ہے۔''

فوائد:- ترمذی کی ایک روایت میں آتا ہے کہ ''اللہ تعالیٰ نے جنت پیدا فرمانے کے بعد حضرت جبرئیل (علیہ السلام) کو جنت دیکھنے کے لیے بھیجا، دیکھ کر انھوں نے اللہ تعالیٰ سے عرض کیا کہ تیری عزت کی قسم! جو اس کے بارے میں سنے گا وہ ضرور اس میں داخل ہوگا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اس کو سختیوں سے گھیر دیا، تو حضرت جبرئیل (علیہ السلام) نے عرض کیا کہ اب تو مجھے ڈر ہے کہ کوئی اس میں داخل نہ ہو سکے گا۔ پھر ان کو دوزخ دیکھنے کے لیے بھیجا گیا، دیکھنے کے بعد انھوں نے عرض کیا کہ اس کے دیکھنے کے بعد کوئی اس میں داخل نہ ہوگا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اس کو مرغوبات سے گھیر دیا، تو حضرت جبرئیل (علیہ السلام) نے فرمایا کہ اب تو کسی کا بھی اس سے بچنا مشکل ہے۔''

اللہ تبارک وتعالیٰ نے دنیا کو امتحان کا گھر بنایا ہے، اس کو مرغوبات اور

آرائشوں سے مزین فرمادیا ہے۔آدمی اس کی لذتوں میں ایسا مست ہوجاتا ہے کہ وہ اپنے خالق کو بھول جاتا ہے، اپنی منزل اس کو یاد نہیں رہتی۔ اس کے برخلاف ایمان کے راستے پر چلنے، اور ایمانی زندگی اختیار کرنے میں وہ کلفت ومشقت محسوس کرتا ہے ،اس کو اپنی خواہشات اور چاہتوں کے خلاف چلنا پڑتا ہے؛ یہی اس کے لیے سب سے بڑی آزمائش وامتحان ہے، اس حدیث میں اسی کا تذکرہ کیا گیا ہے۔اب اگر وہ باہوش انسان ہےتو آخرت کی ہمیشہ رہنے والی نعمتیں اس کے پیش نظر رہتی ہیں، دنیا کی فانی زندگی کو وہ آخرت کی کھیتی کے طور پر استعمال کرتا ہے اور یہاں کی مرغوبات کو اصل نہیں سمجھتا بلکہ اس کی نظر اپنی منزل مقصود پر ٹکی رہتی ہے، اور اس کو صرف آخرت کی طلب وفکر رہتی ہے جہاں ہمیشہ ہمیش رہنا ہے؛ دنیا میں وہ اسی کی تیاری میں مشغول رہتا ہے، اور اسی کے لیے وہ اپنی ساری توانائی صرف کرتا ہے، اور حق یہی ہے کہ دنیا وآخرت کی حقیقت جس پر منکشف ہوجائے تو اس کا حال اس کے سوا کچھ ہو بھی نہیں سکتا!

(اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنَا مِنْهُمْ)

☆☆☆

موت کی یاد

(۲۱) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ (رضی اللہ عنہ) قَالَ؛ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ (ﷺ):
"أَكْثِرُوْا ذِكْرَ هَاذِمِ اللَّذَّاتِ" يَعْنِي الْمَوْتَ. ☆

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول (ﷺ) نے ارشاد فرمایا:
''لذتوں کو توڑنے والی چیز یعنی موت کو کثرت سے یاد کیا کرو۔''

فوائد:- بلاشبہ انسان پر جو چیز سب سے زیادہ اثر انداز ہوتی ہے وہ موت وحیات کا مسئلہ ہے۔ موت جب نگاہوں کے سامنے آجاتی ہے تو بڑی سے بڑی لذت وراحت بھی عذاب بن جاتی ہے۔ آپ (ﷺ) نے ایک مرتبہ لوگوں کو کھلکھلا کر ہنستے ہوئے دیکھا تو فرمایا کہ موت کو زیادہ یاد کیا کرو۔'' پھر فرمایا کہ'' قبر ہر روز پکارتی ہے کہ میں مسافرت وتنہائی کا گھر ہوں، میں مٹی اور کیڑوں کا گھر ہوں۔ پھر جب وہ بندہ زمین کے سپرد کیا جاتا ہے تو اگر حقیقی مؤمن ہو تو کہتی ہے: مرحبا! خوب آئے، اپنے ہی گھر آئے! پھر وہ زمین حدِّ نگاہ تک کشادہ کر دی جاتی ہے۔ اور جب کوئی سخت بدکار یا ایمان نہ لانے والا آدمی زمین کے سپرد ہوتا ہے تو وہ زمین ہر طرف سے اس کو دباتی ہے یہاں تک کہ اس کی پسلیاں اِدھر سے اُدھر ہو جاتی ہیں، اور اس پر ستر اژدھے مسلط کر دیے جاتے

ہیں جو قیامت تک اس کو نوچتے رہیں گے (أَعَاذَنَا اللّٰهُ مِنهَا)۔

بندہ کو آخرت کے اپنے انجام سے کبھی غافل نہ ہونا چاہیے، اور موت وقیامت کو یاد کر کے مستقل اس کا علاج کرتے رہنا چاہیے کہ یہ تیر بہدف علاج ہے۔ صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) میں جو تقویٰ، خوف خدا اور فکر آخرت تھی، وہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے اسی طریقۂ علاج کا نتیجہ تھی؛ اور آج بھی یہ اوصاف ان بندگان خدا میں نظر آتے ہیں جنھوں نے موت اور قبر کی یاد کو اپنا وظیفہ بنا رکھا ہے۔

حدیث میں آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا ہے: ''مَنْ أَحَبَّ لِقَاءَ اللّٰهِ أَحَبَّ اللّٰهُ لِقَاءَهُ'' (جو اللہ کی ملاقات کا متمنی رہتا ہے اللہ تعالیٰ بھی اس کی ملاقات پسند فرماتا ہے)۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس حقیقت کو مستحضر رکھنے کی توفیق عطا فرمائے جس سے کسی کو مفر نہیں، اور جس میں امیر غریب، چھوٹے بڑے، جوان بوڑھے کی کوئی قید نہیں۔ جب بھی ہمارا وقت آئے تو ہم اس کے لیے تیار ہوں اور لقائے الٰہی کے مشتاق ہوں۔ آمین!

☆☆☆

نفاق کی علامت

(۲۲) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ (رضي الله عنه) قَالَ: قَالَ رَسُوْلِ اللّٰهِ (صلى الله عليه وسلم):

"آيَةُ الْمُنَافِقِ ثَلَاثٌ: إِذَا حَدَّثَ كَذَبَ، وَإِذَا وَعَدَ أَخْلَفَ، وَإِذَا اؤْتُمِنَ خَانَ". ☆

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول (صلى الله عليه وسلم) نے ارشاد فرمایا:

''منافق کی تین نشانیاں ہیں: جب بات کرے تو جھوٹ بولے،

جب وعدہ کرے تو اس کی خلاف ورزی کرے،

اور جب امین بنایا جائے تو خیانت کرے۔''

فوائد:- رسول اللہ (صلى الله عليه وسلم) نے اپنی تعلیم میں جن اخلاقِ حسنہ پر بہت زیادہ زور دیا ہے، اور جن کو لازمۂ ایمان قرار دیا ہے، ان میں سچائی، ایفائے عہد، اور امانت داری کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ اس کے برعکس جھوٹ، عہد شکنی اور خیانت کو بدترین گناہوں میں شمار کیا گیا ہے۔ ہر سلیم الفطرت انسان کو ان عادتوں سے گھن آتی ہے؛ اس حدیث میں بھی ان کو نفاق کی نشانیاں بتایا گیا ہے۔ حقیقی اور اصلی نفاق، انسان کی جس بدترین حالت کا نام ہے وہ تو یہ ہے کہ

آدمی نے دل سے تو اسلام نہ قبول کیا ہو، لیکن کسی وجہ سے اپنے کو مومن و مسلم ظاہر کرتا ہو، یہ نفاق دراصل بدترین اور ذلیل ترین قسم کا کفر ہے، اور ان ہی منافقین کے بارے میں قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے: ﴿إِنَّ الْمُنَافِقِينَ فِي الدَّرْكِ الأَسْفَلِ مِنَ النَّارِ﴾ (ضرور بالضرور یہ منافقین دوزخ کے سب سے نچلے حصے میں ڈالے جائیں گے)۔ لیکن بعض بری عادتیں اور بد خصلتیں بھی ایسی ہیں جن میں خاص طور پر جھوٹ، عہد شکنی، اور خیانت ہیں کہ ان کو منافقین سے خاص نسبت اور مناسبت ہے، اور وہ دراصل انھیں کی عادتیں اور خصلتیں ہیں، کسی صاحبِ ایمان پر ان کی پرچھائیں بھی نہیں پڑنی چاہیے۔ اب اگر کسی مسلمان میں ان میں سے کوئی عادت ہو تو یہ سمجھا جائے گا کہ اس میں یہ منافقانہ عادت ہے۔

الغرض ایک نفاق تو ایمان و عقیدہ کا نفاق ہے جو کفر کی بدترین قسم ہے، لیکن اس کے علاوہ کسی شخصیت کے طور طریق اور اعمال کا منافقانہ ہونا بھی ایک قسم کا نفاق ہے۔ اور ایک مسلمان کے لیے جس طرح یہ ضروری ہے کہ وہ کفر وشرک اور اعتقادی نفاق کی نجاست سے بچے، اسی طرح یہ بھی ضروری ہے کہ منافقانہ سیرت اور منافقانہ کردار و عمل کی گندگی سے بھی اپنے کو محفوظ رکھے۔ اللہ تعالیٰ ان منافقانہ خصلتوں سے ہماری حفاظت فرمائے۔ (آمین!)

ازار لٹکانے والوں کی سزا

(۲۳) عَنُ أَبِي هُرَيُرَةَ (رضی اللہ عنہ) قَالَ؛ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ (صلی اللہ علیہ وسلم):

"لَا يَنُظُرُ اللّٰهُ يَوُمَ الُقِيَامَةِ إِلَىٰ مَنُ جَرَّ إِزَارَهُ بَطَرًا". ☆

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ارشاد فرمایا:

''اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی طرف نظر بھی نہ فرمائے گا

جو فخر و غرور میں اپنا ازار لٹکائے۔''

فوائد:- عہدِ نبوی میں عرب متکبرین کا یہ فیشن تھا کہ کپڑوں کے استعمال میں بہت اسراف سے کام لیتے تھے، اور اس کو بڑائی کی نشانی سمجھتے تھے۔ ازار (تہبند) اس طرح باندھتے تھے کہ چلنے میں نیچے کا کنارہ زمین میں گھسٹتا۔ اسی طرح قمیص، عمامہ اور دوسرے کپڑوں میں بھی اسی قسم کے اسراف کے ذریعے اپنی بڑائی اور چودھراہٹ کی نمائش کرتے ؛ گویا دل کے تکبر اور احساسِ برتری کے اظہار اور تفاخر کا یہ ایک ذریعہ تھا، اور اسی وجہ سے متکبرین کا خاص فیشن بن گیا تھا؛ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اس کی سخت ممانعت فرمائی ہے، اور نہایت سنگین وعیدیں اس کے بارے میں سنائی ہیں کہ قیامت کے دن جبکہ ہر بندہ اپنے ربِّ کریم کی نگاہ کا سخت محتاج ہوگا' ازار لٹکانے والے اس سے محروم

رہیں گے، اور جتنا کپڑا زیادہ لٹکایا جائے گا وہ حصہ جہنم میں جلایا جائے گا۔

حضرت ابوسعید خدری (رضی اللہ عنہ) کی ایک حدیث سے **معلوم** ہوتا ہے کہ ایمان والے کے لیے بہتر تو یہ ہے کہ اس کا ازار نصف پنڈلی تک ہو، اور اس کو ٹخنوں کے اوپر تک لے جانا جائز ہے، لیکن اس کے نیچے اگر جائے گا تو جہنم میں ہے۔ اگر بے خیالی میں ایسا ہو جائے تو حضرت ابن عمر (رضی اللہ عنہ) کی ایک حدیث سے صاف **معلوم** ہوتا ہے کہ اس کا مؤاخذہ نہیں ہوگا؛ اسی لیے علماء کرام نے لکھا ہے کہ اگر ٹخنوں کے نیچے تہبند یا پائجامہ فخر و غرور کے جذبہ سے ہو تو حرام ہے، اور اگر فیشن کے لیے ہو تو مکروہ ہے، اور اگر نادانستہ ایسا ہو جائے تو اس پر کوئی مؤاخذہ نہیں۔ موجودہ دور میں عمومی طور پر ٹخنوں سے ازار نیچا کرنے کا رواج پڑ گیا ہے، اس لیے خاص طور سے اس کی طرف توجہ کی ضرورت ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کی کراہیت ہمارے دلوں میں ڈال دے، اور اس سے بچنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین!)

☆☆☆

داڑھی بڑھانے اور مونچھیں تراشنے کا حکم

(٢٤)عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ (رضی اللہ عنہ)قَالَ؛ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ (صلی اللہ علیہ وسلم):

"جُزُّوا الشَّوَارِبَ وَأَرْخُوا اللُّحىٰ، خَالِفُوا الْمَجُوْسَ". ☆

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ارشاد فرمایا:

''مونچھیں کٹاؤ اور داڑھیاں بڑھاؤ، مجوسیوں کی مخالفت کرو۔''

فوائد:- اس حدیث میں رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے صاف صاف مونچھیں کٹانے اور داڑھی بڑھانے کا حکم فرمایا ہے۔ ان ہی جیسی روایات سے استدلال کرتے ہوئے علماء نے ان دونوں چیزوں کو واجب لکھا ہے۔ بعض دوسری حدیثوں سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ تمام انبیاء ومرسلین کا طریقہ بھی یہی تھا، اور خاتم النبیین محبوب رب العالمین (صلی اللہ علیہ وسلم) کی سنت بھی یہی ہے۔ بعض روایتوں سے اس بارے میں بڑی شدت معلوم ہوتی ہے؛ ایک روایت میں آیا ہے کہ چند اہل کتاب آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی خدمت میں حاضر ہوئے جن کی داڑھیاں منڈی ہوئی تھیں تو آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ان سے منھ پھیر لیا۔

لیکن افسوس ہے کہ آج امت کا ایک بڑا طبقہ اس محبوب سنت سے محروم ہے۔ کاش ہم مسلمان محسوس کریں کہ داڑھی رکھنا ہمارے ہادیِ برحق (صلی اللہ علیہ وسلم) اور

دوسرے نبیوں اور رسولوں کی سنت اوران کے طریقہ سے وابستگی کی علامت ہے، اور داڑھی نہ رکھنا ان کے منکروں کا طریقہ ہے۔

روایتوں سے یہ بات بھی معلوم ہوتی ہے کہ داڑھی بے ترتیبی کے ساتھ بڑھ جائے تو اس کو برابر کرلینا چاہیے؛ آنحضرت (ﷺ) اورصحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) سے یہ عمل ثابت ہے، علماء کرام نے اس کے لیے کم از کم ایک مشت کی تحدید کی ہے۔

حدیث کے آخری جز سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ہم اہل باطل کی مخالفت پر مامور ہیں؛ اہل شرک وبدعت کا طور طریق، رہن سہن اختیار کرنا اہل ایمان کا شیوہ نہیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے ﴿وَلَاتَرْكَنُوْا إِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ﴾ (اورتم ظالموں کی طرف مائل نہ ہونا، ورنہ آگ تمھیں پکڑ لے گی)۔ ظالموں اور مشرکوں کی طرف جھکاؤ نہ طرز فکر میں ہو نہ طرز عمل میں، نہ ظاہری لباس میں اور نہ وضع قطع میں ہو کہ یہ چیزیں اللہ کو ناراض کرنے والی ہیں۔ اس حدیث میں خاص طور پر مجوسیوں کا ذکر اس لیے کیا گیا ہے کہ ان کے یہاں داڑھیاں کٹانے اور مونچھیں بڑھانے کا رواج تھا؛ تو جہاں داڑھی بڑھانے اور مونچھیں کٹانے میں اور حکمتیں ہیں وہاں ایک حکمت یہ بھی ہے کہ اس سے مجوسیوں کی مخالفت ہوتی ہے، اور مسلمانوں کو اہل باطل کی مخالفت کا حکم ہے۔

سلام کو عام کرنے کی تاکید

(۲۵)عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ (رضی اللہ عنہ)قَالَ؛ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ (صلی اللہ علیہ وسلم):

"أَفْشُوا السَّلَامَ بَيْنَكُمْ". ☆

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ارشاد فرمایا:

" آپس میں سلام کو عام کرو۔"

فوائد:- دنیا کی تمام متمدن قوموں میں ملاقات کے وقت پیار ومحبت یا جذبۂ اکرام وخیراندیشی کے اظہار کرنے، اور مخاطب کو مانوس ومسرور کرنے کے لیے کوئی خاص کلمہ کہنے کا رواج رہا ہے۔ نبی آخرالزماں حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اس امت کو "اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ" کہنے کی تاکید فرمائی ہے۔ اور واقعہ یہ ہے کہ اس سے بڑھ کر کوئی کلمۂ محبت وتعلق ہو نہیں سکتا۔ یہ ایک بہترین دعائیہ کلمہ ہے؛ اس میں چھوٹوں کے لیے شفقت و پیار بھی ہے، اور بڑوں کے لیے اکرام وتعظیم بھی۔ پھر یہ "السلام" اسمائے الٰہیہ میں سے ایک اسم ہے، اور اللہ تبارک وتعالیٰ نے انبیائے کرام علیہم السلام کے لیے بھی اس کا استعمال فرمایا ہے، اور اس میں عنایت اور پیار ومحبت کا رس بھرا ہوا ہے۔

اگر ملاقات کرنے والے پہلے سے شناسا اور متعارف ہیں تو اس سے مزید اس تعلق ومحبت کا اظہار ہوتا ہے، ورنہ یہی کلمہ تعلق واعتماد اور خیر سگالی کا ذریعہ بن

جاتا ہے۔ بہرحال یہ اسلام کا ایک شعار ہے، اور ایک مسلمان کا دوسرے مسلمان پر حق ہے؛ آپ (ﷺ) نے اس کے بڑے فضائل بیان فرمائے ہیں۔ یہ اہل ایمان کی باہمی محبت ومودت کا بھی ذریعہ ہے، اور اس پر دخول جنت کا بھی وعدہ فرمایا گیا ہے، اور سلام میں پہل کرنے والے کو اللہ تعالیٰ سے قریب تر اور اس کی رحمت کا زیادہ مستحق گردانا گیا ہے، نیز تکبر کا علاج بھی اس کو بتایا گیا ہے۔ آپ (ﷺ) نے یہ بھی فرمایا کہ "اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ" کہنے والے کے لیے دس نیکیاں ہیں، اور جو "وَرَحْمَةُ اللّٰهِ" کا اضافہ کرے اس کے لیے بیس، اور جو "وَبَرَكَاتُهٗ" بھی کہے اس کے لیے تیس نیکیاں لکھی جاتی ہیں۔ اس کے احکام میں سے یہ بھی ہے کہ جب الگ ہو جائے اور دوبارہ ملاقات ہو تو پھر سلام کریں۔ اگر تنہا فرد ہو تو وہ جماعت کو سلام کرے، اسی طرح کم لوگ زیادہ لوگوں کو سلام کریں، سوار پیدل کو سلام کرے، اور آنے والے بیٹھے ہوئے لوگوں کو سلام کرے۔ اسی طرح رخصت ہوتے وقت بھی سلام کرنا مسنون ہے۔ یہ خیال بھی رہنا چاہیے کہ اس کے سلام کرنے سے کسی سونے والے کی آنکھ نہ کھل جائے یا کسی بندہ کو تکلیف نہ پہنچے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں یہ آداب سیکھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین!)

جب چھینک آئے

(۲۶) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ (رضی اللہ عنہ) قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ (صلی اللہ علیہ وسلم):

"إِذَا عَطَسَ أَحَدُكُمْ فَلْيَقُلْ: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ". ☆

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ارشاد فرمایا:

''جب تم میں سے کسی کو چھینک آئے تو ''اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ'' کہے۔''

فوائد:- چھینک کے ذریعے سے ایسی رطوبت اور ایسے آبخرات دماغ سے نکل جاتے ہیں جو اگر نہ نکلیں تو وہ تکلیف یا بیماری کا سبب بن جائیں، اس لیے صحت واعتدال کی حالت میں چھینک کا آنا اللہ تعالیٰ کا فضل ہے؛ اسی لیے یہ ہدایت ہے کہ جس کو چھینک آئے وہ ''اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ'' کہے، جو کوئی پاس ہو وہ ''يَرْحَمُكَ اللّٰهُ'' کہے، یعنی یہ چیز تمھارے لیے خیر و برکت کا ذریعہ بنے۔ پھر چھینکنے والا اس دعا دینے والے بھائی کو ''يَهْدِيْكُمُ اللّٰهُ وَيُصْلِحُ بَالَكُمْ'' کہہ کر دعا دے۔ یہ بھی مسنون ہے کہ چھینکتے وقت ہاتھ یا کپڑا منھ پر رکھ لے، اگر بار بار چھینکیں آئیں یا مرض کی وجہ سے ہوں تو ''اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ'' کہنا اور جواب میں پاس والے کو ''يَرْحَمُكَ اللّٰهُ'' کہنا ضروری نہیں۔

تواضع وانکساری

(۲۷) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ (رضي الله عنه) قَالَ؛ قَالَ رَسُولِ اللّٰهِ (ﷺ):

"مَا تَوَاضَعَ أَحَدٌ لِلّٰهِ إِلَّا رَفَعَهُ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ". ☆

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول (ﷺ) نے ارشاد فرمایا:

''جو بھی اللہ کے لیے تواضع اختیار کرے گا'

اللہ تعالیٰ اس کو سر بلندی عطا فرمائیں گے۔''

فوائد:- تواضع یعنی فروتنی اور خاکساری ان خاص اخلاق میں سے ہے جن کی قرآن وحدیث میں بہت زیادہ تاکید فرمائی گئی ہے، اور بڑی ترغیب دی گئی ہے؛ جس کی وجہ یہ ہے کہ انسان بندہ ہے، اور بندہ کا حسن وکمال یہی ہے کہ اس کے ہر عمل سے بندگی اور نیازمندی ظاہر ہو، اور تواضع وخاکساری بندگی وعبدیت کے مظاہر میں سے ہے۔

اللہ تعالیٰ کو بندہ کی بندگی سب سے زیادہ محبوب ہے؛ اس لیے قرآن میں اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم (ﷺ) کی سب سے بڑی مدح وتوصیف کی جگہ پر یعنی معراج کے موقع پر آپ کا تذکرہ ''عبد'' کہہ کر فرمایا ہے؛ ارشاد باری تعالیٰ ہے ﴿سُبْحٰنَ الَّذِيْ أَسْرٰى بِعَبْدِهٖ لَيْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ إِلَى الْمَسْجِدِ الْأَقْصٰى ......﴾

(وہ ذات پاک ہے جس نے اپنے بندہ کو راتوں رات مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ پہنچادیا)۔

اس کے برخلاف تکبر اور بڑائی کا احساس اللہ تبارک وتعالیٰ کو سب سے زیادہ ناپسندیدہ ہے؛ روایتوں میں آتا ہے کہ جو بھی تکبر اور بڑائی کا رویہ اختیار کرے گا اللہ تعالیٰ اس کو نیچا کردے گا، اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ تمام لوگوں کی نگاہ میں ذلیل وحقیر ہو جائے گا، اگرچہ خود اپنے خیال میں بڑا ہو لیکن دوسرے کی نظر میں ذلیل اور بے وقعت ہو جائے گا۔ ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ جس کے دل میں رائی کے برابر بھی کبر ہوگا وہ جنت میں داخل نہ ہوسکے گا۔

ایک حدیث میں آتا ہے کہ ''إنَّ اللّٰہ أوْحٰی اِلَیَّ أنْ تَوَاضَعُوْا حَتّٰی لَا یَبْغیٰ أحَدٌ عَلیٰ أحَدٍ وَلَا یَفْخَرُ أحَدٌ عَلیٰ أحَدٍ''. (رسول اللہ (ﷺ) سے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے میری طرف وحی فرمائی اور حکم بھیجا کہ تواضع وخاکساری اختیار کرو، جس کا نتیجہ یہ ہونا چاہیے کہ کوئی کسی پر ظلم وزیادتی نہ کرے اور کوئی کسی کے مقابلہ میں فخر نہ کرے)۔

اللہ تعالیٰ اس خبیث مرض سے ہم سب کی حفاظت فرما کر حقیقی بندگی اور فنائیت نصیب فرمائے تا کہ دنیا وآخرت کی کامیابی سے ہم سرخ رُو ہوسکیں۔

شرم وحیا

(٢٨) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ (رضی اللہ عنہ) قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ (صلی اللہ علیہ وسلم):

"اَلْحَيَاءُ شُعْبَةٌ مِنَ الْإِيمَانِ". ☆

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ارشاد فرمایا:

"حیا ایمان ہی کا ایک حصہ ہے۔"

فوائد:- انسانی اخلاق میں حیا کا مقام نہایت بلند ہے، اور یہ انسان کی وہ صفت ہے اور ایک ایسا مادہ ہے کہ جب انسان خلافِ فطرت اعمال اور برائیوں کے قریب ہوتا ہے تو اس میں ایک طرح کی جھجھک اور شرم پیدا ہوتی ہے جو اس کے اور برے عمل کے درمیان ایک حجاب بن جاتی ہے، اور انسان بہت سے گناہوں اور معاصی سے محفوظ ہوجاتا ہے؛ اسی لیے حیا کا ایمان سے گہرا تعلق ہے۔ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے صحابہ کرام سے فرمایا تھا کہ نبیوں کی جو باتیں محفوظ ہیں، ان میں یہ بات بھی ہے کہ "إِذَا لَمْ تَسْتَحْيِ فَاصْنَعْ مَا شِئْتَ" (اگر تم میں حیا کا مادہ نہیں تو جو چاہو کرو)۔ یہ بھی معلوم ہونا چاہیے کہ حیا صرف اپنے ہم جنسوں سے نہیں کی جاتی، بلکہ سب سے زیادہ جس سے حیا ہم کو کرنی چاہیے وہ ہمارا خالق و پروردگار ہے؛ عام طور پر لوگ بے حیا صرف اس کو سمجھتے

ہیں جو اپنے بڑوں کا خیال نہ کرے، بلاشبہ وہ بے حیا ہے، لیکن سب سے بڑا بے حیا وہ بد بخت ہے جو اپنے رب سے نہیں شرماتا، اور یہ جاننے کے باوجود کہ اللہ اس کے کاموں کو دیکھتا ہے اور اس کی باتوں کو سنتا ہے، اس کے سامنے وہ برے کام اور بے جا حرکتیں کرتا ہے!!

ترمذی شریف میں روایت ہے کہ نبی کریم (ﷺ) نے اپنے اصحاب کو خطاب کر کے فرمایا: ''اللہ سے ویسی ہی حیا کرو جیسی کرنی چاہیے''۔ صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) نے عرض کیا: ''الحمدللہ ہم حیا کرتے ہیں۔'' آپ (ﷺ) نے فرمایا: ''یہ نہیں! بلکہ اللہ سے حیا کرنے کا حق یہ ہے کہ سر کی اور اس میں آنے والے خیالات وافکار کی نگہداشت کرو، اور پیٹ کی اور جو کچھ اس میں بھرا ہوا ہے اس کی نگرانی کرو (یعنی غلط افکار سے دماغ کی، اور حرام غذا سے پیٹ کی حفاظت کرو)، اور موت اور موت کے بعد قبر میں جو حالت ہونی ہے اس کو تصور میں رکھو۔ اور جو شخص آخرت کو اپنا مقصد بنائے وہ دنیا کی آرائش اور عشرت سے دستبردار ہو جائے گا، اور اس چند روزہ زندگی کے عیش کے مقابلہ میں آگے آنے والی زندگی کی کامیابی کو اپنے لیے پسند اور اختیار کرے گا۔ جس نے یہ سب کچھ کیا، سمجھو کہ اس نے اللہ سے حیا کرنے کا حق ادا کر دیا۔''

دوستی

(۲۹) عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ (رضی اللہ عنہ) قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ (صلی اللہ علیہ وسلم):

"الرَّجُلُ عَلَى دِيْنِ خَلِيْلِهِ فَلْيَنْظُرْ أَحَدُكُمْ مَنْ يُخَالِلُ". ☆

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ارشاد فرمایا:

"آدمی اپنے دوست کے دین پر ہوتا ہے

تو وہ خوب دیکھ لے کہ کس سے اس کی دوستی ہے۔"

فوائد:- یہ ایک حقیقت ہے کہ آدمی جس سے محبت رکھتا ہے، دوستی رکھتا ہے، اسی کے ساتھ اُٹھتا بیٹھتا ہے، اسی کے طور طریق کو پسند کرتا ہے، اور اسی کے مطابق زندگی گزارنے کی کوشش کرتا ہے۔ اور یہ بات بھی عام مشاہدہ کی ہے کہ دوستوں کا رہن سہن عام طور پر ایک جیسا ہوتا ہے، اور مزاج میں قرب و یکسانیت ہی اکثر و بیشتر دوستی کا پیش خیمہ بنتی ہے۔ بہترین دوستی وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے لیے ہو، جس میں ایک' دوسرے کو نیکی پر آمادہ کرے، اور برائی پر نکیر کرے۔ ورنہ دنیا کے اعتبار سے یہ وہ دوستی ہے جو آخرت میں دشمنی سے بدل جائے گی؛ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿ اَلْأَخِلَّاءُ يَوْمَئِذٍ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ إِلَّا الْمُتَّقِيْنَ ﴾ (جتنے دوست ہیں اس دن ایک دوسرے کے دشمن ہوں گے سوائے تقویٰ والوں کے)؛ کیوں کہ

اس روز باطل کی دوستی کا نقصان محسوس ہوگا تو لامحالہ اس سے کراہت اور دوستوں سے نفرت ہوگی کہ یہ لوگ نقصان کا باعث ہوئے۔

اس زمانے میں عام طور پر دوستیاں اپنے ذاتی منافع واغراض کے لیے یا محفلیں سجانے کے لیے کی جاتی ہیں جس کے مفاسد روزافزوں ہیں کہ عام طور پر یہی دنیا میں بھی بربادی کا سبب ہوتی ہیں، اور آخرت کا نقصان اپنی جگہ پر ہے۔ بلاشبہ اگر یہی دوستی اللہ کے لیے ہو، اور اس میں دو مسلمانوں میں صرف اللہ کے لیے محبت ہو تو اس کے بڑے فضائل حدیث میں وارد ہوئے ہیں۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے مصنف عبدالرزاق میں ایک روایت منقول ہے کہ "دو دوست مؤمن تھے اور دو کافر؛ ان مؤمن دوستوں میں ایک کا انتقال ہوا اور اسے جنت کی خوش خبری سنائی گئی تو اسے اپنا دوست یاد آیا، اور اس نے دعا کی اے اللہ! یہ مجھے بھلائی کا حکم کرتا تھا، برائی سے روکتا تھا اور موت کو یاد دلاتا تھا۔ اے اللہ! تو نے جو نعمتیں مجھے عطا فرمائی ہیں اس کو بھی مرنے کے بعد عطا فرما اور دنیا میں اس کو گمراہ نہ کر۔ کہا جائے گا: اگر اس کی نعمتیں تمھیں بتادی جائیں تو تم روؤ کم اور ہنسو زیادہ۔ پھر جب دوسرے کا بھی انتقال ہوجائے گا تو دونوں کی ارواح جمع کی جائیں گی، اور دونوں کو ایک دوسرے کی تعریف کرنے کا حکم دیا جائے گا۔ اس کے برخلاف جب کافر دوستوں میں سے ایک کا انتقال ہوگا اور اپنی بداعمالیوں کے نتائج دیکھے گا تو کہے گا: اے اللہ! میرے دوست ہی نے مجھے بہکایا تھا تو اس کو بھی جہنم کا مزہ چکھا۔ پھر جب دوسرے کا انتقال ہوگا تو

دونوں کی روحیں جمع کی جائیں گی، اور ایک دوسرے پر لعنت وملامت کا حکم ہوگا۔ اور اس سے بڑھ کر جہنم کا عذاب ہے۔" (أَعَاذَنَا اللّٰهُ مِنهَا)

جو محبت اور دوستی صرف اللہ کے لیے ہو اس کے بارے میں حدیث قدسی میں آتا ہے کہ "وَجَبَتْ مَحَبَّتِي لِلْمُتَحَابِّيْنَ فِيَّ" (میری محبت ان لوگوں کے لیے طے ہے جو میرے لیے آپس میں محبت کرتے ہیں)۔ دوسری حدیث قدسی میں ہے: "أَيْنَ الْمُتَحَابُّوْنَ فِيَّ؟ اَلْيَوْمَ أُظِلُّهُمْ فِي ظِلِّي يَوْمَ لَا ظِلَّ إِلَّا ظِلِّيْ" (کہاں ہیں میرے لیے آپس میں محبت کرنے والے؟ آج میں ان کو اپنے سائے میں جگہ دوں گا جب کہ میرے سائے کے سوا کوئی سایہ نہیں)۔

آج جب کہ دوستیاں اور تعلقات عام طور پر دنیاوی منافع کے لیے کی جاتی ہیں، یہ حدیثیں اہل ایمان کے لیے روشنی کا مینار ہیں۔

☆☆☆

قیامت کے روز اعضائے وضو کی چمک

(۳۰) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ (رضي الله عنه) قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ (صلى الله عليه وسلم):

"تَرِدُوْنَ عَلَيَّ غُرًّا مُحَجَّلِيْنَ مِنْ أَثَرِ الْوُضُوْءِ". ☆

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ارشاد فرمایا:

''تم مجھ سے اس حال میں ملو گے کہ وضو کے اثر سے

پیشانی اور ہاتھ پاؤں چمک رہے ہوں گے۔''

فوائد:- دنیا میں وضو کا ظاہری فائدہ تو ہوتا ہی ہے کہ اس سے ہاتھ پاؤں کی صفائی ہو جاتی ہے، لیکن اس کا اصل فائدہ وہ ہے جو اس حدیث میں اور اس کے علاوہ بعض دوسری احادیث میں بیان ہوا ہے۔ ایک حدیث میں آتا ہے کہ جو اچھی طرح (آداب وسنن کا خیال رکھتے ہوئے) وضو کرے تو وضو کے پانی سے اس کے گناہ دھل جاتے ہیں اور وہ پاک صاف ہو جاتا ہے۔ مزید برآں قیامت میں اس کا ایک اثر یہ بھی ظاہر ہوگا جیسا کہ مذکورہ بالا حدیث میں وارد ہوا ہے کہ وضو کرنے والے آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے امتیوں کے چہرے اور ہاتھ

پاؤں وہاں روشن وتاباں ہوں گے،اور یہ وہاں ان کا امتیازی نشان ہوگا۔اور پھر جس کا وضو جتنا کامل اور مکمل ہوگا اس کی یہ نورانیت اور تابانی بھی اسی درجہ کی ہوگی۔اب جس سے ہو سکے وہ اپنی اس نورانیت کو مکمل کرنے کی امکانی کوشش کرتا رہے، جس کی صورت یہی ہے کہ وضو ہمیشہ فکرو اہتمام کے ساتھ پورا کرے،اور آداب کی پوری نگہداشت رکھے۔

آج کے اس مشینی دور میں وضو بھی مشینی ہوگیا ہے؛ نہ نیت کا استحضار رہتا ہے اور نہ دعاؤں کا اہتمام۔ایک حدیث میں وارد ہے کہ اگر وضو شروع کرنے سے پہلے"بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ "پڑھ لیا جائے تو پورا جسم گناہ کی آلودگی سے پاک ہوجاتا ہے۔ترمذی شریف کی ایک روایت میں یہ بھی آتا ہے کہ وضو پورا کرلینے کے بعد جو یہ کلمات کہے اس کے لیے جنت کے آٹھوں دروازے کھل جاتے ہیں،وہ کلمات یہ ہیں:"أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ، اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِيْ مِنَ التَّوَّابِيْنَ وَاجْعَلْنِيْ مِنَ الْمُتَطَهِّرِيْنَ "(میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ اکیلا ہے اس کا کوئی شریک نہیں، اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد (ﷺ) اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں، اے اللہ! مجھے توبہ کرنے والوں میں بنا،اور پاکی اختیار کرنے والوں میں بنا)۔

مسواک کی فضیلت

(۳۱)عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ (رضي الله عنه)قَالَ؛ قَالَ رَسُوْلِ اللّٰهِ (صلى الله عليه وسلم):

”لَوْلَا أَنْ أَشُقَّ عَلَى أُمَّتِي لَأَمَرْتُهُمْ بِالسِّوَاكِ عِنْدَ كُلِّ صَلَاةٍ“. ☆

ترجمہ:”اگر یہ خیال نہ ہوتا کہ امت پر مشقت ہوجائے گی
تو میں ہر نماز کے وقت مسواک کرنے کا حکم دیتا۔“

فوائد:- طہارت ونظافت کے سلسلہ میں رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے جن چیزوں پر خاص طور پر زور دیا ہے اور بڑی تاکید فرمائی ہے، ان میں مسواک بھی ہے۔مسواک کے جو بھی فوائد ہیں وہ اپنی جگہ پر، لیکن دینی نقطۂ نگاہ سے اس کی اصل اہمیت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو بہت راضی کرنے والا عمل ہے؛ اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کا ارشاد ہے:”اَلسِّوَاكُ مَطْهَرَةٌ لِلْفَمِ وَمَرْضَاةٌ لِلرَّبِّ“(یعنی مسواک منھ کو خوب صاف کرنے والی اور رب کو خوب راضی کرنے والی چیز ہے)۔

کسی بھی چیز میں نفع کے دو پہلو ہوتے ہیں؛ ایک یہ کہ وہ دنیا کی زندگی کے اعتبار سے مفید اور نفع بخش ہو، دوسرے یہ کہ آخرت کی زندگی میں کام آئے، مسواک میں یہ دونوں چیزیں جمع ہیں؛ اس سے منھ کی صفائی ہوتی ہے، بُو زائل

ہوتی ہے، مضر مادے خارج ہوتے ہیں، یہ اس کے نقد دنیوی فوائد ہیں۔اور اس کا ابدی اور اخروی فائدہ یہ ہے کہ رضائے الٰہی کے حصول کا ذریعہ ہے۔

حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ (ﷺ) ہر نیند سے جاگنے کے بعدٗ خاص طور پر تہجد کے لیے اُٹھتے وقت پابندی اور اہتمام سے مسواک فرماتے تھے۔ اسی طرح جب گھر تشریف لاتے تو پہلے مسواک فرماتے۔علماء نے ان ہی احادیث کی بنیاد پر لکھا ہے کہ مسواک کرنا یوں تو مختلف اوقات میں باعث اجر وثواب ہے، لیکن پانچ موقعوں پر اس کی اہمیت زیادہ ہے: (۱) وضو میں (۲) نماز کے لیے (اگر نماز و وضو میں فصل ہو گیا ہو) (۳) قرآن مجید کی تلاوت کے لیے (۴) سو کر اُٹھتے وقت (۵) منھ میں بدبو پیدا ہو جانے یا دانتوں میں تغیر آجانے کے وقت ٗان کی صفائی کے لیے۔

یہ ایک ایسی محبوب سنت ہے جو اس زمانے میں متروک ہوتی جارہی ہے، اور اس سنت کے نور سے عمومی طور پر محرومی ہے۔ اللہ تعالیٰ اس مبارک سنت کو زندہ کرنے کی ہمیں توفیق بخشے کہ ہم خود بھی اس پر عمل کرنے والے ہوں اور دوسروں کو بھی بہتر طریقہ پر اس کی طرف متوجہ کریں۔

(وَفَّقَنَا اللّٰهُ لِذٰلِكَ)

نماز کی تاکید

(۳۲) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ (رضی اللہ عنہ) قَالَ؛ قَالَ رَسُولِ اللّٰهِ (صلی اللہ علیہ وسلم):

"إِنَّ أَوَّلَ مَا يُحَاسَبُ بِهِ الْعَبْدُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مِنْ عَمَلِهِ صَلَاتُهُ". ☆

ترجمہ: "قیامت کے دن بندے کے عمل میں سب سے پہلے
جس چیز کا حساب لیا جائے گا وہ اس کی نماز ہے۔"

فوائد:- نماز بندوں پر اللہ تعالیٰ کا سب سے بڑا فریضہ ہے۔ دین کا ستون ہے۔ مسلمانوں اور کافروں کے درمیان وجہ امتیاز ہے۔ نجات کی شرط ہے۔ اور اس کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت وتقویٰ کی بنیادی شرائط کے طور پر بیان فرمایا ہے؛ اسی لیے قیامت کے دن سب سے پہلے اسی کے بارے میں سوال ہوگا۔ یہ ہر آزاد اور غلام، امیر اور غریب، بیمار اور تندرست، مسافر اور مقیم پر ہمیشہ کے لیے، اور ہر حال میں فرض ہے۔ کسی بالغ انسان کو اس سے مستثنیٰ نہیں کیا جاسکتا، یہاں تک کہ یہ حالت جنگ میں بھی فرض ہے اور اس کو "صلوٰۃ الخوف" کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔

حقیقت میں یہ اس فطرت انسانی اور تقاضۂ بشری کی تسکین وتکمیل ہے

جس کو ہم ضعف واحتیاج، دعا ومناجات، عبودیت وتذلل اور خشوع وتواضع کا جذبہ کہہ سکتے ہیں۔ یہ وہ مضبوط رسی ہے جو بندہ اور رب کے درمیان پھیلی ہوئی ہے؛ وہ جب چاہے اس رسی کو مضبوطی سے تھام کر اپنی حفاظت کی ضمانت حاصل کرسکتا ہے۔ یہ اس کی روح کی غذا، درد کا درماں، زخم کا مرہم، بیماری سے شفا، اور اس کا سب سے بڑا ہتھیار اور سہارا ہے؛ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿يَاأَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا اسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ﴾ (اے ایمان والو! صبر اور نماز سے اللہ کی مدد چاہو)۔ رسول اللہ (ﷺ) کے ارشاد میں بھی اس حقیقت کی طرف اشارہ ہے: ''جُعِلَتْ قُرَّةُ عَيْنِيْ فِي الصَّلٰوةِ '' (میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں رکھی گئی ہے)۔

بلاشبہ تارک صلوٰۃ نعمت عظمیٰ سے محروم، اور تائید الٰہی سے دور ہے۔ افسوس کی بات یہ ہے کہ مسلمانوں کی اکثریت اس اہم ترین فریضہ سے غافل ہے۔ ہم پر لازم ہے کہ ہم اس فریضۂ اول سے غفلت برتنے والوں کو متوجہ کریں، اور کم سے کم اپنے اپنے علاقوں میں یہ کوشش کریں کہ کوئی مسلمان تارک صلوٰۃ نہ رہے۔ اللہ تعالیٰ ہم مسلمانوں کو اس فریضۂ اول کے اہتمام کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین!)

☆☆☆

تہجد کی نماز

(۳۳) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ (رضی اللہ عنہ) قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ (صلی اللہ علیہ وسلم):

"أَفْضَلُ الصَّلَاةِ بَعْدَ الْفَرِيْضَةِ، صَلَاةُ اللَّيْلِ". ☆

ترجمہ: ''فرض نماز کے بعد افضل ترین نماز تہجد کی نماز ہے۔''

فوائد:- روح کی تقویت کا سب سے بڑا ذریعہ اور دل کو حرارت پہنچانے اور گرم رکھنے کا سب سے مؤثر طریقہ ''قیام اللیل'' یعنی تہجد کی نماز ہے؛ جس کی قرآن مجید نے بار بار ترغیب دی ہے، اور تہجد پڑھنے والوں کی اس انداز سے تعریف کی ہے کہ جس سے اس کی خاص اہمیت معلوم ہوتی ہے۔ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) سفر وحضر دونوں میں اس کی پابندی فرماتے تھے، اور جب کبھی نیند یا مرض کا غلبہ ہوتا تو دن میں بارہ رکعت پڑھ لیتے تھے۔ صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) میں بھی اس کا عام رواج تھا۔ اسی طرح یہ ہر زمانہ اور ہر طبقہ میں صلحاء اور اہل اللہ، علماء ومجاہدین اور مخلصین واہل دعوت کا شعار رہا ہے، وہ اپنے دن بھر کی محنت ومجاہدہ اور اپنے مشاغل وسرگرمیوں کے لیے، جن کے لیے غیر معمولی برداشت اور قوت وہمت کی ضرورت ہوتی ہے، اس شب بیداری وسحر خیزی سے قوت وغذا حاصل کرتے تھے؛ یہی امت کا معیار اور دستور تھا اور آج بھی یہی معیار ودستور اس کے لیے

نشانِ راہ ہے۔ خاص طور پر علمائے امت اور داعیانِ دین پر اس کا اہتمام لازم ہے کہ اسی سے دعوت میں روح اور کلام میں تاثیر پیدا ہوتی ہے، کارنبوت کی ادائیگی میں سہولت ہوجاتی ہے، اور خود اس کی ذات میں ایک خاص کشش پیدا ہوجاتی ہے، جس کے نتیجے میں وہ ہزارہا بندگانِ خدا کی ہدایت کا ذریعہ بن جاتا ہے۔ مگر یہ بات بھی ملحوظ رہنی چاہیے کہ اس میں ریا کا شائبہ نہ ہو، اور رات کی تنہائی میں اس کے اور رب کے درمیان کوئی چیز حائل نہ ہو۔

اللہ تبارک وتعالیٰ پورے اخلاص کے ساتھ اس کے اہتمام کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین!)

☆☆☆

مساجد کی عظمت اور بازاروں سے کراہت

(۳٤) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ (رضي الله عنه) قَالَ؛ قَالَ رَسُولِ اللّٰهِ (صلى الله عليه وسلم):

"أَحَبُّ الْبِلَادِ إِلَى اللّٰهِ تَعَالَىٰ مَسَاجِدُهَا

وَأَبْغَضُ الْبِلَادِ إِلَى اللّٰهِ أَسْوَاقُهَا". ☆

ترجمہ: ''اللہ تعالیٰ کے نزدیک جگہوں میں سب سے زیادہ محبوب مسجدیں ہیں، اور سب سے زیادہ ناپسندیدہ بازار ہیں۔''

فوائد:- زمین میں اللہ تبارک وتعالیٰ کو سب سے زیادہ مسجدیں محبوب ہیں، اور کیوں نہ ہوں جب کہ ان کی نسبت خود ذات وحدہٗ لاشریک سے ہے؛ ارشاد ربانی ہے: ﴿وَأَنَّ الْمَسَاجِدَ لِلّٰهِ فَلَا تَدْعُوا مَعَ اللّٰهِ أَحَداً﴾ (اور مسجدیں (خاص) خدا کی ہیں تو خدا کے ساتھ کسی کی عبادت نہ کرو)۔

یہی وہ جگہ ہے جہاں اللہ (جل جلالہ) کی عظمت سب سے زیادہ نمایاں ہوتی ہے، جہاں کسی مخلوق کی کوئی عزت یا کسی بڑے کی کوئی خصوصیت نہیں۔ یہ ایک ایسی جگہ ہے جہاں آقا وغلام، حاکم ومحکوم، امیر وفقیر، سب مساوی نظر آتے ہیں۔ یہ اپنی سادگی وسنجیدگی، سکینت ولطافت، اپنی پُر کیف روحانی فضا، پُرسکون

ماحول، اور توحید کے کھلے ہوئے نمایاں شعائر میں دوسرے مذاہب واقوام کی عبادت گاہوں سے بالکل مختلف ہے۔ یہ رحمت الٰہی کے متوجہ ہونے اور برکتوں کے نازل ہونے کی جگہ، اور خیر کا سرچشمہ ہے۔ اور بلا شبہ مسلمانوں کی تعلیم وتربیت اور اصلاح ورہنمائی کے مرکز کی حیثیت بھی اس کو حاصل رہی ہے؛ علم وہدایت کے سرچشمے، اصلاح وارشاد کی تحریکیں، جہاد وسرفروشی کی لہریں سب اسی مرکز سے اٹھتی رہی ہیں۔ اور آج بھی مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ مساجد سے اپنے رابطہ کو مضبوط کریں، اور مسلم معاشرہ میں ان کو دوبارہ وہی مرکزیت واہمیت حاصل ہو جو پہلے تھی۔

اسی حدیث کے دوسرے جز میں یہ فرمایا گیا کہ جس طرح مساجد اللہ کو محبوب ہیں، اسی کے برعکس بازار اس کو سب سے زیادہ ناپسندیدہ ہیں کہ وہ بے حیائیوں کا سرچشمہ ہیں، اور ناروا آرائش وزیبائش کے مظاہر ہیں۔ شیطان کو وہاں بہکانے کے ہزاروں مواقع میسر آتے ہیں؛ اس لیے ان کو شیاطین کے اڈّے بھی کہا گیا ہے، خاص طور سے موجودہ زمانے کی منڈیوں اور بازاروں میں تو وہ کون سی برائی ہے جو نہ ہوتی ہو؟

اس حدیث سے یقیناً یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ ایک مسلمان کو اپنا دل مسجد سے لگانا چاہیے، اس لیے کہ وہ مسلمانوں کا سب سے بڑا مرکز ہے تاکہ اس کا ان سات

خوش نصیب لوگوں میں شمار ہو جو عرشِ الٰہی کے سائے میں ہوں گے کہ ان میں سے ایک وہ بھی ہوگا جس کا دل مسجد میں لگا رہتا ہے۔ اسی طرح اس کے یہ شایانِ شان نہیں کہ وہ ہر وقت بازاروں میں چکر لگاتا پھرے، اور اس کا دل وہیں اٹکا رہے؛ ہاں ضرورت کے لیے جانے کی شریعت میں اجازت ہے۔ لیکن اس کے آداب میں سے یہ ہے کہ نگاہیں نیچی رہیں، سلام کرنے والے کا جواب دے، اور خود دوسروں کو سلام کرنے کی کوشش کرے۔

☆☆☆

جماعت کی فضیلت

(۳۵) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ (رضی اللہ عنہ) قَالَ؛ قَالَ رَسُولِ اللّٰهِ (صلی اللہ علیہ وسلم):

"صَلَاةُ الْجَمَاعَةِ تَعْدِلُ خَمْسًا وَعِشْرِيْنَ مِنْ صَلَاةِ الْفَذِّ". ☆

ترجمہ: "نماز باجماعت، تنہا پچیس نمازوں کے برابر ہے۔"

فوائد:- فرض نماز جماعت کے ساتھ ادا کرنے کا حکم ہے، اور اسلام میں نماز کا مزاج اور اس کی صحیح شکل یہی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) اور آپ کے اصحاب کرام (رضی اللہ عنہم) اس پر ایسی مداومت کرتے رہے کہ گویا وہ بھی نماز کا جز، اور نماز کے اندر داخل ہے؛ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے مرضِ وفات میں بھی اس کو ترک نہیں فرمایا۔ صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) جماعت کا جس قدر اہتمام فرماتے تھے، اس کا اندازہ حضرت عبداللہ بن مسعود (رضی اللہ عنہ) کی اس حدیث سے ہوتا ہے کہ اگر دو آدمیوں کے سہارے سے بھی کوئی لایا جاسکتا تھا تو جماعت میں شرکت کے لیے اس کو لایا جاتا تھا۔ صحابہ کرام فرماتے ہیں کہ جماعت میں وہی شریک نہیں ہوتا تھا جو کھلا ہوا منافق ہو۔ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) جماعت کے چھوڑنے پر سخت نکیر فرماتے؛ ایک روایت میں آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا کہ "میں سوچتا ہوں کہ کسی کو نماز

پڑھانے کا حکم دوں، پھر ان لوگوں کے پاس جاؤں جو جماعت سے پیچھے رہ جاتے ہیں پھر حکم دوں کہ لکڑیاں جمع کر کے ان کے گھروں میں آگ لگادی جائے۔"

نماز باجماعت کے اندر اللہ تعالیٰ نے بہت سی حکمتیں اور مصلحتیں رکھی ہیں، ان میں بہت سے اخلاقی فوائد ہیں؛ رحمتوں کا نازل ہونا، عبادات پر مداومت کا آسان ہونا، جذبۂ مسابقت کا پیدا ہونا، اس کے احکام وآداب کا سیکھنا، اس کے علاوہ اور بھی بہت سے فوائد ہیں جو جماعت کا اہتمام کرنے والوں کو حاصل ہوتے ہیں۔

☆☆☆

پہلی صف کی فضیلت

(۳٦) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ (رضی اللہ عنہ) قَالَ؛ قَالَ رَسُولِ اللّٰهِ (صلی اللہ علیہ وسلم):

"خَيْرُ صُفُوفِ الرِّجَالِ أَوَّلُهَا". ☆

ترجمہ: ''مردوں کی صفوں میں سب سے بہتر صف
ان کی پہلی صف ہے۔''

فوائد:- روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی خاص رحمت اور فرشتوں کی دعا کے خصوصی مستحق اگلی صف والے ہوتے ہیں، دوسری صف والے بھی اگرچہ اس سعادت میں شریک ہیں مگر بہت پیچھے ہیں؛ رحمت الٰہی کے طالب کو چاہیے کہ وہ حتی الوسع پہلی صف میں کھڑے ہونے کی کوشش کرے، اس کا ذریعہ صرف یہی ہے کہ مسجد میں پہلے پہنچنے کی کوشش کرے، صحیحین کی ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا: ''اگر لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ پہلی صف میں کھڑے ہونے کا کیا اجر وثواب ہے اور اس پر کیا صلہ ملنے والا ہے تو لوگوں میں ایسی مسابقت اور کشمکش ہو کہ قرعہ اندازی سے فیصلہ کرنا پڑے۔'' لیکن یہ بات بھی واضح ہونی چاہیے کہ اس کے لیے کوئی ایسا طریقہ نہ اختیار کیا جائے جس سے بندگان خدا کو تکلیف پہنچے؛ اس لیے کہ پہلی صف میں کھڑا ہونا

مستحب اور باعث فضیلت ہے، اور کسی کو ناحق تکلیف پہنچانا حرام ہے، اور کسی مستحب کے حصول کے لیے حرام کا ارتکاب درست نہیں، وہ کام اپنی جگہ حرام ہی رہے گا۔ اس کے لیے اول وقت میں مسجد پہنچنے کا اہتمام کرنا ہوگا، اور اذان سنتے ہی مؤذن کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے مسجد کا رخ کرنا پڑے گا تاکہ صف اول میں جگہ مل سکے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اذان کے وقت آپ (ﷺ) کا حال بیان فرماتی ہیں کہ آپ (ﷺ) ہمارے ساتھ کسی امر میں مشغول ہوتے، اذان سنتے ہی آپ (ﷺ) اچانک اس طرح کھڑے ہوکر مسجد تشریف لے جاتے کہ گویا پہچانتے ہی نہیں۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اول وقت میں مسجد پہنچنے کی توفیق عطا فرمائے تاکہ صف اول کی فضیلت ہمیں حاصل ہوسکے۔ (آمین!)

☆☆☆

دعا کی اہمیت

(۳۷) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ (رضي الله عنه) قَالَ؛ قَالَ رَسُولِ اللّٰهِ (صلى الله عليه وسلم):

"لَيْسَ شَيْءٌ أَكْرَمَ عَلَى اللّٰهِ مِنَ الدُّعَاءِ".

ترجمہ: ''اللہ کے نزدیک دعا سے بڑھ کر کوئی چیز باعث شرف نہیں۔''

فوائد:- بارگاہ الٰہی میں جو چیز سب سے زیادہ پسندیدہ ہے، وہ بندہ کی بندگی ہے، اور بندگی میں جتنا زیادہ بندہ کو اپنے ضعف واحتیاج کا احساس ہوتا ہے، اللہ کو اتنا ہی اس پر پیار آتا ہے۔ حقیقت میں دعا بھی اپنی ضرورت کے اظہار اور مالک الملک کے سامنے اپنی بے مائیگی کے اسی احساس کا نام ہے، اور بلاشبہ یہ عبادت کی روح ہے؛ اسی لیے فرمان نبوی ہے: ''اَلدُّعَاءُ مُخُّ الْعِبَادَةِ'' (یعنی دعا عبادت کا مغز ہے)۔ رسول اللہ (صلى الله عليه وسلم) ہر اہم موقع پر دعا کا اہتمام فرمایا کرتے تھے، اور یہ نبوت جامعہ کے ساتھ آپ (صلى الله عليه وسلم) کی عبدیت کاملہ کا ایک مظہر تھا۔ آپ (صلى الله عليه وسلم) سے مختلف مواقع کی مختلف دعائیں منقول ہیں جن کا اہتمام کرنا بڑی برکت کی چیز ہے۔

دعا کرنے والے کو جس قدر اپنی عاجزی وبے بسی کا احساس ہوتا ہے اللہ تعالیٰ اتنی ہی اس کی دعا قبول فرماتے ہیں، دعا کرنے والا بہر حال محروم نہیں

رہتا؛ یا تو منھ مانگی مراد ملتی ہے یا اس کے عوض کوئی مصیبت ٹال دی جاتی ہے، ورنہ آخرت میں اس کا اجر یقینی ہے، اور اجر بھی ایسا کہ قیامت میں بندہ اس کو دیکھ کر کہے گا کہ کاش میری کوئی دعا دنیا میں قبول نہ ہوئی ہوتی اور اس کا اجر مجھے یہاں مل جاتا!

دعا کے احکام و آداب میں سے یہ ہے کہ پہلے اللہ کی حمد وثنا بیان کرے پھر درود شریف پڑھے اور دعا کرے۔ دعا اپنے لیے بھی کرے، اپنے عزیزوں اور اہل تعلق کے لیے بھی کرے اور عام مسلمانوں کو بھی شامل کرے؛ حدیث میں آتا ہے کہ غائبانہ دعا زیادہ قبول ہوتی ہے۔ دعا کرتے وقت ہاتھ اُٹھانا بہتر ہے کہ یہ اپنے احتیاج کی علامت ہے۔ فارغ ہوکر اپنے ہاتھوں کو چہرے پر پھیر لے۔ جامع دعاؤں کا زیادہ اہتمام کرے، اور پورے یقین کے ساتھ دعا کرے۔ تنگی اور پریشانی کے وقت بھی دعا کرے اور خوش حالی کے زمانے میں بھی۔

بلاشبہ دعا سے غفلت بڑی محرومی کی بات ہے۔ دعا انفرادی بھی ہوسکتی ہے اور اجتماعی بھی، سرّی بھی ہوسکتی ہے اور جہری بھی، لیکن زیادہ اہتمام انفرادی اور سرّی دعاؤں کا کرنا چاہیے کہ اس میں زیادہ حضوری نصیب ہوتی ہے، اور ریا کا خطرہ بھی کم ہوتا ہے۔ ساعاتِ اجابت کا بھی اہتمام کرنا چاہیے؛ خاص طور پر جمعہ کے دن، تہجد کے وقت، اور بعد عصر قُبَیل مغرب قبولیت کی گھڑیاں ہیں۔ سفر میں بھی دعا کی قبولیت کا ذکر حدیث میں آتا ہے۔ دوسروں سے بھی دعا کی درخواست کرنی

چاہیے، اس کا بھی ذکر حدیث میں آتا ہے۔ مسنون اور جامع دعائیں یاد نہ ہوں تو ان کو یاد کر لینا چاہیے۔

اب اس مضمون کو ایک جامع دعا پر ختم کیا جاتا ہے؛ حضرت ابوامامہ (رضی اللہ عنہ) فرماتے ہیں کہ ہم نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی خدمت میں عرض کیا کہ آپ نے بہت سی دعائیں سکھائی ہیں جو سب ہمیں یاد نہیں، تو آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا کہ کیا میں تمھیں ایسی دعا نہ بتادوں جو ساری دعاؤں کی جامع ہو؛ وہ دعا یہ ہے: "اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ مِنْ خَيْرِ مَا سَأَلَكَ مِنْهُ نَبِيُّكَ مُحَمَّدٌ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ شَرِّ مَا اسْتَعَاذَكَ مِنْهُ نَبِيُّكَ مُحَمَّدٌ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم وَ أَنْتَ الْمُسْتَعَانُ وَعَلَيْكَ الْبَلَاغُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ" (اے اللہ میں تجھ سے ہر وہ بھلائی چاہتا ہوں جو تیرے نبی حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے چاہی، اور ہر اس بُرائی سے پناہ چاہتا ہوں جس سے تیرے نبی حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے پناہ چاہی۔ تیری ہی ذات سے مدد طلب کی جاسکتی ہے اور تجھ ہی پر بھروسہ ہے، اور جو کچھ بھی طاقت وقوت ہے وہ اللہ ہی کے واسطے سے ہے)۔

روزہ

(۳۸) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ (رضي الله عنه) قَالَ؛ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ (صلى الله عليه وسلم):

"اَلصِّيَامُ جُنَّةٌ". ☆

ترجمہ: "روزہ ڈھال ہے۔"

فوائد:- روزہ ارکان اسلام میں سے ایک رکن ہے۔ ہر عاقل، بالغ مسلمان پر روزے فرض کیے گئے ہیں؛ اس سے مقصود یہ ہے کہ نفس انسانی خواہشات اور عادتوں کے شکنجہ سے آزاد ہوسکے، اس کی شہوانی قوتوں میں اعتدال پیدا ہو، اور اس کے ذریعے سے وہ سعادت ابدی کے گوہر مقصود تک رسائی حاصل کرسکے، اور حیاتِ ابدی کے حصول کے لیے وہ اپنے نفس کا تزکیہ کرسکے۔ بھوک اور پیاس سے اس کی ہوس کی تیزی اور شہوت کی حدّت میں تخفیف پیدا ہو، اور یہ بات یاد آئے کہ کتنے مسکین ہیں جو روزی روٹی کے محتاج ہیں۔ وہ شیطان کے راستوں کو اس پر تنگ کردے۔ اور اعضاء وجوارح کو ان چیزوں کی طرف مائل ہونے سے روک دے جن میں اس کی دنیا وآخرت دونوں کا نقصان ہے؛ اس لحاظ سے یہ اہل تقویٰ کی لگام، مجاہدین کی ڈھال اور

اُبرار ومقربین کی ریاضت ہے۔قرآن مجید میں بھی اس کی طرف اشارہ موجود ہے؛ اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ﴾ (اے ایمان والو! تم پر روزے فرض کیے گئے ہیں جیسا کہ ان لوگوں پر فرض کیے گئے تھے جو تم سے پہلے ہوئے، تاکہ تم متقی بن جاؤ)۔

جو شخص رمضان کے مبارک مہینے میں جائز مأکولات ومشروبات سے باز رہتا ہے، اور خدا کے حکم کی تعمیل میں اس کے قریب نہیں جاتا ہے وہ غیر رمضان میں ان چیزوں سے کیسے قریب ہو سکتا ہے جن کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے؟ رمضان المبارک کے روزوں سے اسے اپنے نفس پر کنٹرول کرنے اور اس کو قابو میں رکھنے کی بھی مشق ہو جاتی ہے، اور یہ مشق اس کی زندگی میں ایک ڈھال کی طرح ثابت ہوتی ہے کہ وہ اس کے ذریعہ سے اپنے آپ کو شیطانی حملوں اور نفسانی چالوں سے محفوظ رکھتا ہے، لیکن ضروری ہے کہ جس طرح وہ کھانے پینے سے بچے اسی طرح زبان اور نگاہ کی حفاظت بھی کرے، خاص طور پر غیبت روزہ کی حالت میں کسی زہر سے کم نہیں، بعض روایتوں میں یہاں تک آیا ہے کہ اس سے روزہ باقی نہیں رہتا، اس لیے آداب کے ساتھ روزہ کا اہتمام ہونا چاہیے۔

انفاق فی سبیل اللہ کی اہمیت

(۳۹) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ (رضی اللہ عنہ) قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ (صلی اللہ علیہ وسلم):

"قَالَ اللّٰهُ تَعَالیٰ: أَنْفِقْ يَا ابْنَ آدَمَ أُنْفِقْ عَلَيْكَ". ☆

ترجمہ: ''اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے ابن آدم! تو خرچ کر میں تجھ پر خرچ کروں گا۔''

فوائد:- اس حدیث میں مسلمانوں کو صاف صاف اس بات کی تلقین کی گئی ہے کہ اللہ کے دیے ہوئے مال میں سے خرچ کریں، تو اللہ تعالیٰ انعام واکرام کی بارش فرمائے گا؛ ایک حدیث میں آتا ہے کہ'' اللہ تعالیٰ ہر روز ایک فرشتے کو مامور فرماتے ہیں' وہ یہ دعا کرتا ہے: اَللّٰهُمَّ أَعْطِ مُنْفِقًا خَلَفًا، اَللّٰهُمَّ أَعْطِ مُمْسِكاً تَلَفاً'' (اے اللہ دینے والے کو بہترین بدل عطا فرما، اور روکنے والے کے مال کو تلف کردے)۔ پھر مرنے کے بعد والی ابدی زندگی میں اس کا اجر اس سے بہت زیادہ ہے؛ ایک حدیث میں آتا ہے کہ بروزِ محشر صدقہ دینے والا اپنے صدقے کے سایہ میں ہوگا۔ اور اسی طرح کی متعدد احادیث مروی ہیں جن میں صدقات کے فضائل بیان ہوئے ہیں۔ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) کے بارے میں مروی ہے کہ اپنی ضرورت سے زائد مال تھوڑی دیر کے لیے بھی رکھنا پسند نہ فرماتے تھے؛

علامہ ابن قیم تحریر فرماتے ہیں کہ رسول اللہ (ﷺ) اپنے مال کو سب سے زیادہ صدقات وخیرات میں صرف فرماتے تھے، آپ (ﷺ) سے اگر کوئی شخص سوال کرتا اور آپ (ﷺ) کے پاس وہ چیز ہوتی تو کم وبیش کا خیال کیے بغیر اس کو عنایت فرمادیتے۔ آپ (ﷺ) اس طرح دیتے جیسے کمی وتنگی کا کوئی خوف نہ ہو۔ عطیات ،صدقات، خیرات' آپ (ﷺ) کا محبوب عمل تھا۔ آپ (ﷺ) دے کر اتنا مسرور ہوتے جتنا لینے والا لے کر نہ ہوتا۔ آپ (ﷺ) جود وسخا میں فرد تھے۔ آپ (ﷺ) کا ہاتھ صدقات کی بادِ بہاری تھا۔ اگر کوئی محتاج وضرورت مند آجاتا تو آپ (ﷺ) اپنے اوپر اس کو ترجیح دیتے۔ آپ (ﷺ) کے دینے کے انداز بھی مختلف ہوتے؛ کبھی ہدیہ دیتے، کبھی صدقہ دیتے، کبھی کسی اور نام سے مرحمت فرماتے، کبھی کسی سے کوئی چیز خریدتے اور پھر اس کو سامان اور قیمت دونوں مرحمت فرمادیتے اور کبھی اصلی قیمت سے زائد مرحمت فرماتے، ہدیہ قبول فرماتے پھر اس سے بہتر کئی گنا زائد مرحمت فرماتے؛ غرض کہ ہر ممکن طریقے سے صدقات وخیرات، نیکی وصلہ رحمی کے نئے طریقے اور نرالے انداز پیدا فرمالیتے۔

انفاق کی ایک قسم تو وہ ہے جس کو زکوٰۃ کہتے ہیں؛ یہ ہر صاحبِ نصاب عاقل بالغ مسلمان پر فرض ہے، اور یہ اسلام کے چار فرائض میں سے دوسرا اہم ترین فریضہ ہے؛ لیکن افسوس ہے کہ اس دوسرے فریضہ سے بھی امت کا بڑا طبقہ غافل ہے۔ انفاق کی دوسری قسم صدقاتِ نافلہ کی ہے کہ دوسروں کی حاجت برآری کی جائے، اور اپنی زائد ضرورتوں کو دبا کر دوسروں کے کام آیا جائے؛ یہ

عمل اللہ کو بہت محبوب ہے، لیکن عام طور پر اس سے بھی غفلت ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کی اہمیت ہم سب کو عطا فرمائے؛ خاص طور پر جو زکوٰۃ میں کوتاہی کرنے والے ہیں' ان کو اس فریضہ کا ادا کرنے والا بنادے۔ (آمین!

☆☆☆

حج

(٤٠) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ (رضي الله عنه) قَالَ: قَالَ رَسُوْلِ اللّٰهِ (صلى الله عليه وسلم):

"اَلْحَجُّ الْمَبْرُوْرُ لَيْسَ لَهُ جَزَاءٌ إِلَّا الْجَنَّةُ". ☆

ترجمہ: ''مقبول حج کا جنت کے سوا کوئی بدلہ نہیں۔''

فوائد:- اسلام کے ارکانِ اربعہ میں سے آخری اور اہم ترین رکن، حج کی ادائیگی ہے۔ یہ اپنے سارے ارکان واعمال اور مناسک وعبادات کے ساتھ اطاعتِ محض، بے چوں چرا حکم بجالانے اور ہر مطالبہ کے آگے سر جھکا دینے کا نام ہے؛ حاجی کبھی مکہ میں نظر آتا ہے، کبھی منیٰ میں، کبھی عرفات میں، کبھی مزدلفہ میں؛ کبھی ٹھہرتا ہے، کبھی سفر کرتا ہے، کبھی خیمہ گاڑتا ہے، کبھی خیمہ اکھاڑتا ہے۔ وہ صرف حکم الٰہی کا پابند ہے؛ اس کا نہ خود کوئی ارادہ ہے نہ فیصلہ، نہ انتخاب کی آزادی۔ وہ منٰی میں اطمینان سے سانس بھی نہیں لینے پاتا کہ اس کو عرفات جانے کا حکم ملتا ہے، لیکن مزدلفہ جو کہ راستہ میں ہے، وہاں ٹھہرنے کی اجازت نہیں ہوتی۔ عرفات میں وہ دن بھر دعا وعبادت میں مشغول رہتا ہے، اس کا جی چاہتا ہے کہ رات یہیں رہ کر ستا لے، لیکن اس کے بجائے اس کو مزدلفہ جانے کا حکم ملتا ہے۔

وہ زندگی بھر نماز کا پابند رہا تھا، لیکن اس کو حکم ہوتا ہے کہ وہ مغرب کی نماز ترک کردے اس لیے کہ وہ اللہ کا بندہ ہے، نماز میں اپنی عادت کا بندہ نہیں، اس کو حکم ہے کہ وہ یہ نماز مزدلفہ پہنچ کر عشاء کے ساتھ ملا کر پڑھے، یہاں اس کا خوب جی لگتا ہے، وہ سوچتا ہے کہ یہاں جی بھر کر ٹھہرے، لیکن اس کی بھی اجازت نہیں، اس کو اب منٰی کا رخ کرنا ہے۔ اس کا یہی جذبۂ اطاعت وفنائیت اللہ تبارک وتعالیٰ کو محبوب ہے۔ اب اگر کوئی شخص اخلاص کے ساتھ آداب کا خیال کرتے ہوئے حج کرتا ہے تو گویا وہ دریائے رحمت میں غسل کرتا ہے، جس کے نتیجے میں وہ گناہوں سے پاک وصاف ہوجاتا ہے، دنیا میں اس کو اطمینانِ قلب اور خوش حالی کی دولت نصیب ہوتی ہے، اور اس کے صلہ میں جنت کا ملنا اللہ تعالیٰ کا قطعی فیصلہ ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو حج مبرور نصیب فرمائے۔ (آمین!)۔

الحمد للّٰه الذي بعزتهٖ وجلالهٖ تتمّ الصالحات وصلّى اللّٰه تعالىٰ علىٰ حبيبهٖ سيّدنا ومولانا محمدٍ وآلهٖ وصحبهٖ أجمعين صلاةً وسلامًا دائمين متلازمين إلىٰ يوم الدين.